بسم الله الرحمن الرحیم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شہید ضیاء الدین رضوی

مؤلف

استاد غلام حسین انجم دینوری

ناشر

خیر الناس ویلفیئر ٹرسٹ دینور گلگت

نام کتاب : شہید ضیاء الدین رضوی

مؤلف : استاد غلام حسین انجم دینوری

ناشر : خیر الناس ویلفیئر ٹرسٹ دینور گلگت

سنہ تحریر : 2008

تعداد : 1000

قیمت :

ملنے کا پتہ

مکتبۃ الرضا بیسمنٹ میاں مارکیٹ

غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور فون، 042-7245166 0344-4151214

حیدری کتب خانہ و سی ڈی سنٹر

اندرون کربلا گامے شاہ بھاٹی گیٹ لاہور 0345-4563616

شہید ضیاء الدین رضویؒ

دعا برائے سلامتی امام زمانؑ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَللّٰھُمَّ کُنْ لِوَلِیِّکَ الْحُجَّةِ ابْنِ
الْحَسَنِ صَلَوَاتُکَ عَلَیْهِ وَعَلٰی اٰبَآئِهٖ
فِیْ هٰذِهِ السَّاعَةِ وَفِیْ کُلِّ سَاعَةٍ
وَّلِیًّا وَّحَافِظًا وَّقَآئِدًا وَّنَاصِرًا وَّ
دَلِیْلًا وَّعَیْنًا حَتّٰی تُسْکِنَهٗ اَرْضَکَ
طَوْعًا وَّتُمَتِّعَهٗ فِیْهَا طَوِیْلًا ط

ولی امر مسلمین آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مدظلہ العالی

شہید سید ضیاء الدین رضوی رحمۃ اللہ علیہ گلگت
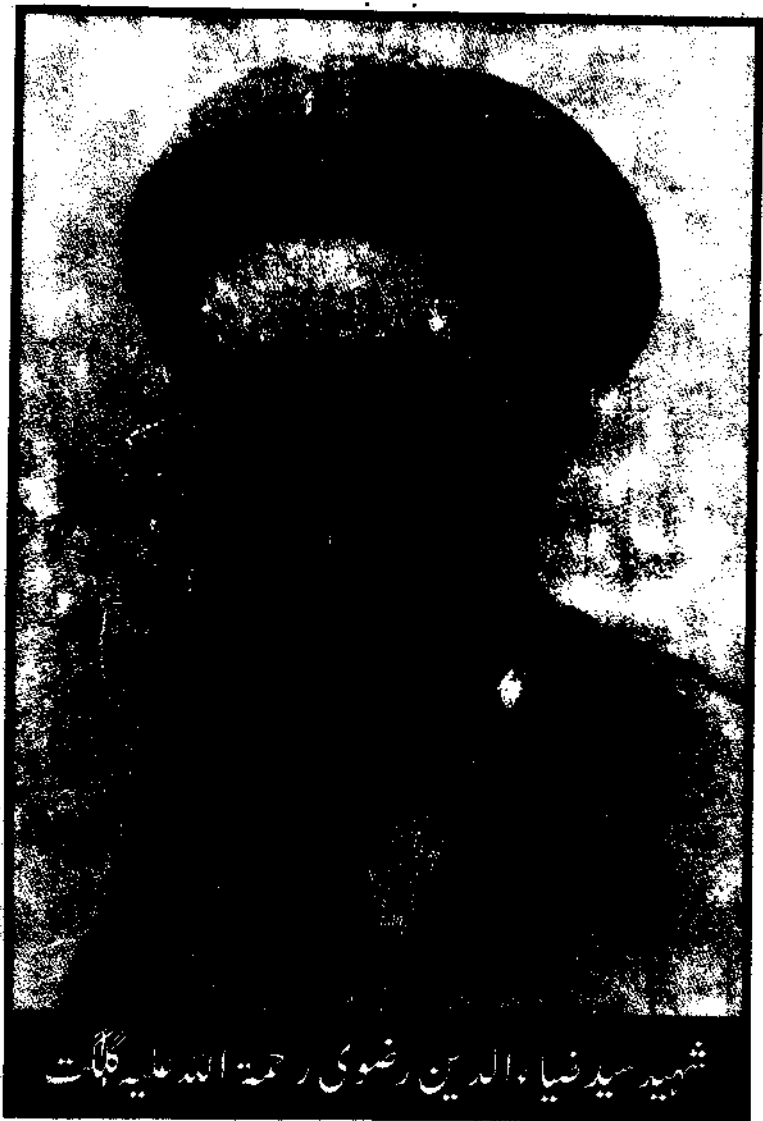
عناوین

نمبر شمار	عناوین	صفحہ نمبر
1	امام علی رضاؑ امام محمد تقی جوادؑ اور سادات رضوی	13
2	شجرہ نسب سادات رضویہ گلگت	80
3	سید ضیاء الدین رضویؒ کا خاندانی پس منظر اور پیش منظر	87
4	سید میر احمد شاہ رضوی کا سلسلہ نسب	98
5	ضیاء الدین رضویؒ ولادت سے نوجوانی تک	109
6	مذہبی قیادت	120
7	تعمیر ملت پروگرام	135
8	نابغہ روزگار	140
9	تحریک نصاب کے اثرات اور پس منظر	155
10	دنیور والوں کا شکریہ	159
11	شہادت کے عواقب و نتائج اور اثرات	162
12	رضوی سے حسینی تک	179
13	سید محمد حسین نجفی"	183
14	شجرہ نسب سادات حسینی	192
15	سید راحت حسین الحسینی دام ظلہ	193
16	تاثرات کے تراشے	204
17	سوچنے کی باتیں	209
18	گلہائے عقیدت نظم فارسی	215

پیش لفظ

دنیا میں کسی شخص کی اچھائی یا برائی کو اس کے خلوص نیت اور معیار معرفت کو مدنظر رکھ کر پرکھا جاسکتا ہے کیونکہ غیر معصوم لوگوں کی زندگی غلطیوں سے پاک نہیں ہوتی ہے اس لئے لوگ اپنی عام معلومات کی بنا پر اپنی پسند یا ناپسند کے حوالے سے ایک دوسرے کی تعریف یا تنقیض کرتے ہیں جب کہ تحقیق انیق کے بعد یقین کامل حاصل کر کے اس فرد یا افراد کے بارے میں بات کہجانی چاہیے ورنہ قرآن مجید کی زبان میں وہ بات بہتان ہوگی جو بہت بڑا گناہ ہے جب کہ دنیا میں سب لوگوں کی یہ خاص عادت ہے کہ وہ کہتے تھے پر اعتبار کرتے ہیں جو سب سے بڑی غلطی ہے کیونکہ کوئی فرد دانستہ یا نادانستہ طور پر ایک بات کہہ دیتا ہے جس کی وجہ سے عام لوگوں میں شکوک وشبہات پیدا ہو جاتے ہیں اور ان شبہات کی بنا پر معاشرتی تہذیب میں بہت بڑا خلاء پیدا ہو جاتا ہے اور انسانی معاشرے میں بے چینی کے علاوہ بداعتقادی جنم لیتی ہے اس لئے سیاست علویہ اور ثقافت جعفریہ میں بہتان کی بھرپور مذمت آئی ہے لہٰذا اس بری صفت سے بچنا چاہئے میں نے اس مختصر کتاب میں مختصر حالات پر بے لاگ تبصرہ کرنے کی کوشش کی ہے۔

شہید ضیاء الدین رضوی رحمۃ اللہ علیہ ایک متقی اور اپنے کام میں مخلص

انسان تھے اس لئے جو بھی کام کیا ہے اس کو اپنا خلوص اور دیانت داری سے انجام دینے کی خاص کوشش کی ہے مگر دنیادار سیاست مداروں نے آپ کو مذہبی سیاست کے آسمان پر اٹھایا اور جلد ہی اتار بھی دیا اس لئے اس خطۂ بے آئین میں مذہب کے نام کی سیاست کی بدولت ملت کے افراد بے اتفاقی کی بند گلی میں پھنس گئے ہیں اور شریک سفر احباب نے اپنا راستہ بدل دیا ہے اور آج بھی ضیاء الدین رضوی تنہا ہے۔

والسلام

استاد غلام حسین انجم دنیور

بسم اللہ الرحمن الرحیم

﴿حضرت امام علی رضا علیہ السلام وامام محمد تقی علیہ السلام اور سادات رضویہ﴾

امامت مطلقہ خاصہ کے آٹھویں تاجدار امام ثامن و ضامن شاہ خراسان اور غریب طوس حضرت علی ابن موسیٰ رضا علیہ السلام کی ولادت باسعادت زیادہ مشہور قول کے مطابق 11 ذیقعدہ 148 ہجری ہے اور مدینہ منورہ میں آپ کی ولادت ہوئی اور یہ بھی مشہور ہے کہ آپ کی ولادت باسعادت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات کے چند دن بعد ہوئی ہے اور امام جعفر صادق علیہ السلام کی یہ آرزو تھی کہ اپنے اس نور نظر پوتے کو دیکھے کیونکہ آپ کے نور نظر امام موسیٰ کاظم ابن جعفر صادق سے روایت ہے اور آپ فرماتے تھے میں نے اپنے والد بزرگوار حضرت امام جعفر صادقؑ ابن محمد باقرؑ سے بارہا سنا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ عالم آل محمد تیرے صلب میں ہے کاش میں اس کو دیکھتا بیشک وہ امیر المومنین کا ہمنام علی ہے حضرت شیخ صدوقؒ نے یزید بن سلیط سے یہ روایت نقل کی ہے کہ میں نے مکہ کے راستے میں اپنے قافلے کے ساتھ امام جعفر صادق علیہ السلام سے ملاقات کی اور میں نے عرض کیا میرے ماں باپ فدا ہوں آپ تو امام پاک ہیں لیکن موت ایسی

چیز ہے کہ جس سے مفر ممکن نہیں مجھے وہ چیز بتائیں جو میں اپنے پسماندگان کو آگاہ کروں آپ علیہ السلام نے فرمایا دیکھو یہ میرے فرزند ہیں آپ علیہ السلام نے اپنے بیٹے موسیٰ کاظم علیہ السلام کی جانب اشارہ کر کے فرمایا اس میں علم حلم فہم وجود اور معرفت ہے اس چیز کی جس کے لوگ محتاج ہیں اور امر دین میں اختلاف کرتے ہیں اس میں خُلق اور حُسن ہے اور یہ خدا کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے اور اس میں اس سے بھی بہتر صفت ہے میں نے عرض کیا میرے ماں باپ قربان وہ کونسی صفت ہے امام علیہ السلام نے فرمایا خداوند عالم اس کی پشت سے اس امت کا دادرس نور وفہم اور حکم اور اس امت کا بہترین پیدا کریگا اور سب سے بہتر نور وارد ہوگا اس کے ذریعے خداوند عالم خون محفوظ کریگا اور اس کے توسط سے اصلاح کریگا فتنوں کا اور اس کے ذریعے سے بچھڑے ہوؤں کو ملا دیگا اور ٹوٹے ہوؤں کو جوڑ دیگا اور بارش برسائیگا اور ننگے کو لباس پہنائیگا۔ اور اس کی سبب سے بوکھے کو سیر کریگا اور لوگوں کو خوف سے مامون قرار دیگا۔ اور بندگان خدا اس کے مطیع اور فرمانبردار ہونگے اس کی وجہ سے اس کی بات حکمت ہے اور اس کی خاموشی علم ہے اور وہ لوگوں کے درمیاں وہ چیز بیان کریگا جس میں اختلاف ہو۔ کتاب جلاء العیون میں حضرت امام علی رضا علیہ السلا کے حالات زندگی کے بارے میں علامہ باقر مجلسیؒ نے لکھا ہے کہ آپ کا اسم شریف علی اور کنیت ابوالحسن ہے اور آپ کا مشہور لقب رضا ہے جو اسم خاص بن گیا ہے آپ کے اور بھی بہت سے القاب ہیں علامہ ابن بابویہ قمیؒ نے صیح سند

کے ساتھ بزنطی سے روایت نقل کی ہے کہ میں نے امام محمد تقی علیہ السلام کی خدمت اقدس میں عرض کیا آپ کے مخالفین میں سے ایک گروہ کا گمان ہے کہ مامون عباسی نے آپ کے والد بزرگوار علیؑ کو رضاؑ کے لقب سے یاد کیا ہے اور آپ کو ولی عہدی کے لئے منتخب کیا ہے اس پر امام محمد تقی جواد علیہ السلام نے فرمایا خدا کی قسم وہ لوگ جھوٹ کہتے ہیں بلکہ خداوند عالم نے آپ کو رضا کا خطاب دیا ہے کیونکہ آپ آسمان میں خدا کے پسندیدہ تھے اور زمین میں پسندیدہ رسول خدا اور ائمہ ھدیٰ تھے اور انہوں نے آپ کو امامت کے لئے چنا ہے اور میں نے عرض کیا آپ کے تمام اجداد پسندیدہ تھے پھر کیوں اور کس بنا پر فقط آپ ہی کو اس لقب سے مخصوص کیا ہے اس پر آپ علیہ السلام نے فرمایا آپ علیہ السلام کو دوست اور دشمن بھی پسند کرتے تھے آپ علیہ السلام سے سب راضی تھے اس لئے مخالفین اور موافقین کی پسند کی بدولت رضا کا لقب آپؑ کے نام سے خاص قرار دیا ہے اور معتبر سند کے ساتھ سلیمان بن حفص سے بھی روایت ہے کہ حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ اسلام اپنے اس پسندیدہ بیٹے کو رضا کا نام دیتے تھے آپ فرماتے میرے بیٹے رضاؑ کو بلاو اور جب آپ کو مخاطب کرتے تو ابوالحسن کے نام سے یاد کرتے تھے۔ ابن بابویہ قمیؒ نے معتبر سند کے ساتھ علی بن میثم سے روایت نقل کی ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی والدہ حمیدہ خاتون نے جو اشراف عجم میں سے تھی ایک کنیز خریدی اور اس کا نام تکتم رکھا اور وہ سعادت مند کنیز شرم و حیا کی پیکر تھیں بی بی حمیدہ خاتون نے ایک دن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام

سے فرمایا بیٹا تکتم محاسن اخلاق میں بہتر ہے اور میں جانتی ہوں جو نسل اس سے پیدا ہوگی وہ پاک و پاکیزہ ہوگی اور میں اس کنیز کو آپ کے نام پر بخش دیتی ہوں اور آپ سے التماس کرتی ہوں کہ اس کی حرمت کا خیال رکھیں پھر جب حضرت امام علی رضا علیہ السلام اس سے پیدا ہوئے تو اسکا نام طاہرہ رکھا گیا چونکہ امام علی رضا علیہ اسلام کے مناقب اور مکارم اخلاق اور آپ کی مقدس زندگی کے حالات بیشمار ہیں میں بطور تبرک کچھ باتوں کا خلاصہ یہاں تحریر کرنیکی سعادت حاصل کرتا ہوں علامہ شیخ طبرسیؒ نے ابوصلت ہروی سے روایت نقل کی ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے علی ابن موسیٰ رضا سے زیادہ عالم نہیں دیکھا اور یہ بات درست ہے کہ مامون عباسی نے متعدد بار فقہاء و متکلمین اور ادیان عالم کے علماء کو جمع کر کے امام علی رضا علیہ السلام سے مناظرہ اور بحث و تمحیص کرایا مگر آپؑ سب پر غالب آئے۔

ابوصلت ہرویؒ آپ کے خاص معتمد خادم تھے فرماتے ہیں محمد بن اسحاق بن موسیٰ بن جعفر علیہ السلام اپنے والد سے حدیث بیان کرتے ہیں کہ میرے والد بزرگوار اپنے بیٹوں سے فرماتے تھے اے میرے بیٹو تمہارے بھائی علی ابن موسیٰ رضا عالم آل محمد ہیں اس سے اپنے دینی معالم کے بارے میں سوال کرو اور ان کی باتوں کو یاد رکھو کیونکہ میں نے اپنے والد بزرگوار امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا ہے کہ آپ بار بار مجھ سے فرمایا کرتے تھے۔ کہ عالم آل محمد علیہم السلام تمہارے صلب میں ہیں کاش میں اسے دیکھتا اور وہ امیر

المومنین کا ہم نام علی ہے۔

اسیطرح علامہ شیخ صدوق علیہ الرحمت نے ابراہیم بن عباس سے روایت نقل کی ہے اور وہ کہتا ہے کہ میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ ابوالحسن علی رضاؑ نے کسی سے گفتگوں میں سختی کی ہو اور نہ کسی کی بات کو درمیان سے کاٹ دیا ہو اور آپ کی قدرت میں ہو تو کسی سوالی کی حاجت رد نہیں کرتے اور کسی وقت بھی آپ کے حضور میں بیٹھا ہوا شخص کے سامنے پاوں نہ پھیلاتے اور مجلس میں اپنے ہم نشین کی جگہ تکیہ لگا کر سہارا نہیں لیا اور نہیں دیکھا کہ آپ نے اپنے موالی اور غلاموں کو برا بھلا کہا ہو اور گالی دی ہو اور کسی وقت آپ کو تھوکتا ہوا نہیں دیکھا اور نہ قہقہہ لگا کر ہنستے ہوئے دیکھا بلکہ آپکا قہقہہ متبسم ہوتا تھا اور خلوت میں دستہ خوان پر اپنے تمام غلاموں کو بلاتے تھے یہاں تک دربان اور اصطبل کے نورکروں کو بھی اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھاتے تھے رات کو تھوڑا سوتے تھے۔ اول شب سے صبح تک بیدار رہتے روزہ زیادہ رکھتے تھے اور ہر مہینے کے تین روزے ہفتہ کی پہلی جمعرات اور آخری جمعرات اور ہفتہ کے درمیانی بدھوار کا روزہ آپ سے فوت نہیں ہوتا آپ فرماتے ان تین دنوں کے روزے پورے سال کے روزوں کے برابر ہیں آپ احسان کرتے اور صدقہ چھپ کر دیتے اور زیادہ تر آپ صدقہ رات کی تاریکی میں دیتے تھے اگر کوئی شخص یہ گمان کرے کہ اس نے فضل وکمال میں کوئی آپ کے برابر دیکھا ہے تو اس کی تصدیق نہ کرو۔ محمد بن ابی عباد سے منقول ہے کہ حضرت امام رضاؑ گرمیوں میں چٹائی پر بیٹھتے اور سردیوں میں بھی اسیطرح کے ایک کپڑے پر گزارہ کرتے آپ سخت اور

کھر درا لباس پہنتے مگر جب لوگوں کی ملاقات کے لئے باہر آتے تو عمدہ لباس پہنتے تھے
اسیطرح سابقہ سند کے ساتھ ابوذکوان نے ابراہیم بن عباس سے روایت کی ہے اور وہ کہتا
ہے میں نے کبھی نہیں دیکھا کہ امام رضاؑ سے کوئی چیز پوچھی گئی ہو اور آپ نہ جانتے ہوں
اور میں نے نہیں دیکھا کہ آپ سے بڑھ کر کوئی گزشتہ زمانے کے حالات اور موجودہ
حالات زیادہ جانتا ہو اور آپ سے زیادہ عالم ہو اسیطرح مامون عباسی ہر قسم کے سوالات
کر کے آپ کا امتحان لیتا تھا اور آپ جواب دیتے تھے اور آپ کی سب باتیں اور مثالیں
قرآن مجید سے ماخوذ ہوتیں تھیں اور آپ ہر تیسرے دن قرآن ختم کرتے تھے اور آپ
فرماتے تھے کہ میں چاہوں تو اس سے کم وقت میں قرآن ختم کرسکتا ہوں لیکن جب کسی
آیت سے گزرتا ہوں تو اس پر غور و فکر کرتا ہوں کہ یہ آیت کس چیز کے بارے میں نازل
ہوئی ہے اور کس وقت نازل ہوئی ہے اس لئے تین دنوں میں ایک ختم قرآن کرتا ہوں۔
اسیطرح حضرت امام رضا علیہ السلام نے اپنے ہر حکمت ارشادات میں فرمایا ہے ہم ایسا
خانوادہ ہیں کہ جس سے وعدہ کرتے ہیں اسے اپنا دین اور قرض جانتے ہیں اور ہم پر لازم
ہے کہ اس وعدے کو قرض کی طرح ادا کریں جس طرح پیغمبر اسلام ﷺ کیا کرتے تھے
آپ کا فرمان ہے عقلمند انسان اپنی بلند ہمتی پر فخر کرتا ہے نہ کہ خاندان کی بوسیدہ ہڈیوں پر
فخر کرے امام رضا علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ہر شخص کا دوست اس کی عقل ہے اور اُسکا
دشمن اسکی نادانی ہے اور آپ کا ارشاد ہے جو شخص خدا کی طرف سے دی ہوئی تھوڑی روزی
پر راضی ہو تو خداوند عالم بھی اس کے تھوڑے عمل پر راضی ہوجاتا ہے اور روایت ہے کہ

لوگوں نے حضرت کی خدمت میں عرض کیا آپ نے کس طرح صبح کی ہے آپ نے فرمایا میں نے اجل منقوص کے ساتھ صبح کی یعنی میری عمر کی مدت برابر کم ہوتی جاتی ہے اور عمل محفوظ کے ساتھ جو کچھ عمل کرتا ہوں وہ ضبط یعنی لکھا جا رہا ہے اور موسے ہماری گردن پر پڑی ہے اور آتش جہنم ہمارے پیچھے لگی ہے اور ہمیں معلوم نہیں کہ ہمارا کیا حشر ہوگا۔

علامہ شیخ صدوق علیہ الرحمت نے معتبر سند کے ساتھ ریان بن صلت سے روایت نقل کی ہے کہ حضرت امام رضاؑ نے جناب عبدالمطلب کے یہ نصیحت آموز اشعار پڑھے۔

یَعِبُ النَّاسَ کُلُّهُمْ زَمَاناً ۔وَمَا زَمَا نِنَا عَیبُ سِوَانَا ۔نَعِیبُ زَمَا نِنَا و العَیبُ فِینَا
وَلَو انطَقَ الزَّمَانَ بِنَا هِجَاناً ۔وَانَّ الذِئبَ یَترُکَ لَحْمَ ذِئبٍ۔ وَ یَاکُلُ بَعضُنَا بَعضاً عِیَاناً

سب لوگ زمانہ کی بدگوئی کرتے ہیں جب کہ ہمارے علاوہ زمانے میں کوئی عیب نہیں لیکن ہم زمانے پر عیب لگاتے ہیں جب کہ عیب ہم میں ہیں اگر زمانے میں بولنے کی طاقت ہوتی تو وہ ہماری مزمت کرتا۔ بیشک بھیڑیا دوسرے بھیڑیا کا گوشت نہیں کھاتا مگر ہم میں سے بعض ایک دوسرے کا گوشت اعلان کر کے کھاتے ہیں اور بعض مقامات میں یہ مصرع اضافی ہے۔

لَبِسنَا لِلخِدَاعِ مُسُوکَ ظَبیٍ ۔ فَوَیلٌ لِلغَرِیبِ اِذَا اَتَانَا

ہم نے دوکھہ دینے کی خاطر ہرن کی کھال پہن رکھا ہے پس ہلاکت ہے اس مسافر

کے لئے جو ہمارے پاس آجاتا ہے۔

روایت ہے کہ مامون الرشید نے امام رضا علیہ السلام کو لکھا کہ مجھے کچھ نصیحتیں کریں تو آپؑ نے جواب میں کچھ اشعار لکھے جنکا ترجمہ یہ ہے۔

"بیشک تو ایک ایسی دنیا میں ہے جس کے لئے ایک موت ہے اور زمانہ مقرر ہے جسمیں عمل کرنے والے کا عمل قبول ہو جاتا ہے آیا دیکھتے نہیں ہو کہ موت نے گھیر رکھا ہے اور اس نے ہر تمنا کرنے والے کی آرزو چھین لیا ہے جبکہ تمہارے دل میں آتا ہے تو تم گناہ کی طرف جلدی کرتے ہو اور توبہ کی امید کو اگلے سال کے لئے ٹالتے ہو جب کہ موت اچانک انسان پر آجاتی ہے اور یہ کام ہوشیار اور عقلمند انسان کا نہیں ہے"۔

جناب شیخ صدوق علیہ الرحمۃ نے ابراہیم بن عباس سے نقل کیا ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام اکثر اوقات یہ شعر پڑھا کرتے تھے۔

اِذا کُنتَ فِی خَیرٍ فَلا تَغرُر بِہِ۔ وَلٰکِنْ قُلِ اللّٰھُمَّ سَلِّم وَ تَمِّم۔

جب تم آرام و راحت میں ہو تو اس سے مغرور مت ہو جا بلکہ کہو خدایا اس نعمت کو سالم رکھو اور اس کو مجھ پر تمام کر دے اور اسیطرح ۱۳۵ھ ہجری کے دوران بغداد میں پیدا ہونے والا عظیم شاعر اور زاہد و عابد ابو اسحاق اسماعیل بن قاسم اپنے زمانے کا منفرد شعر گو تھے جو مذمت دنیا میں بشار شاعر اور ابو نواس کی طرح مشہور

تھے اور وہ اتنا ماہر کلام تھے اگر وہ چاہتے تو اپنی تمام گفتگو شعر میں کہتے اس کے چند اشعار کا ترجمہ یہ ہے ہم سب ہلاک ہونے والے ہیں اولاد آدم میں سے کون یہاں ہمیشہ رہنے والا ہے اور ان کی ابتداء ان کے رب کی طرف سے ہے اور اب اُس رب کی جانب پلٹ کر جائنگے پس تعجب ہے کہ تو کس طرح خدا کی نافرمانی کرتا ہے اور کس طرح اس کا انکار کرتا ہے جب کہ ہر چیز میں اس کی نشانی موجود ہے اور جو یہ دلالت کرتی ہے کہ وہ ایک ہے اور پھر فرماتا ہے جب انسان اپنے نفس کو مال سے آزاد نہ کرے تو وہ مال ہی اس کے مالک بن جاتا ہے جسکا یہ مالک تھا یاد رکھو کہ میرا مال وہی ہے جس کو میں خرچ کروں اور وہ میرا مال نہیں جسے میں چھوڑ جاؤں جب تیرے پاس مال دنیا ہو تو جلدی سے حق کے راستے میں خرچ کرو ورنہ دنیا کے مہالک اس کو ہلاک اور ختم کر دینگے اسیطرح دنیا کی رنگینیوں اور اقتدار کی ہوس نے موت اور مقام آخرت کو فراموش کرا دیا اور اس عارضی دنیا کی خاطر دنیا داروں نے ہر وہ برا کام کیا جو انسانیت کے ضمیر کے خلاف تھے جب مامون الرشید عباسی تخت حکومت قابض ہوا تو عراق کی گورمری حسن بن سہیل کے سپرد کیا ور خود مرو شہر میں مقیم رہا اس دوران حجاز دیمن میں آباد بعض سادات نے حکومت کی لالچ میں مخالفت کا جھنڈا بلند کیا تو فتنہ وفساد کا غبار اٹھ کھڑا ہوا جب یہ خبر مامون عباسی کے پاس مرو پہنچی تو اس نے فضل بن سہیل زوالریاستین سے مشورہ کیا جو اس کے وزیر اور مشیر

خاص تھا اس پر زیادہ غور خوص کے بعد مامون کی یہ رائے ہوئی کہ وہ حضرت علی رضاؑ کو مدینہ سے بلایا جائے اور آپؑ کو اپنا ولی عہد مقرر کرے تا کہ باقی سادات اس کی اطاعت کرے اور حکومت کی طمع ختم ہو جائے اس لئے رجاء ابن ابی ضحاک کو اپنے بعض معتمد لوگوں کے ساتھ حضرت امام رضاؑ کی خدمت میں مدینہ بھیجا تا کہ وہ آپؑ کو خراسان کے سفر کی ترغیب دلائیں جب یہ لوگ آپؑ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے تو حضرت نے پہلے بہت انکار کیا اور جب انکا مطالبہ حد اعتدال سے بڑھ گیا تو مجبوراً آپؑ نے اس سفر کو اختیار کیا۔

شیخ صدوق رحمۃ اللہ علیہ نے محول بجستانی سے روایت کی ہے جب مامون نے امام علی رضاؑ کو مدینہ سے مرو بلایا تو امام رضاؑ قبر رسول ﷺ سے رخصت ہونے کے لئے مسجد نبوی میں گئے اور بار بار قبر رسولؐ سے رخصت ہو کر باہر آتے پھر واپس قبر پر جاتے تھے اور ہر دفعہ آپ کی رونے کی آواز بلند ہوتی تھی میں آپؑ کے نزدیک گیا اور سلام کیا تو آپ نے جواب سلام دیا میں نے آپ کو سفر کی مبارک باد دی تو آپ نے فرمایا میری زیارت کرو میں اپنے جد بزرگوار کے جوار سے جا رہا ہوں اور عالم غربت و مسافرت میں میری موت ہوگی اور ہارون عباسی کے پہلو میں دفن ہونگا علامہ باقر مجلسیؒ فرماتے ہیں کشف الغمہ وغیرہ کتب میں امیہ بن علی سے روایت ہے اور وہ کہتا ہے جس سال امام رضاؑ حج کے لئے گئے اور خراسان کی طرف جانے

والے تھے تو اپنے نور نظر امام محمد تقی علیہ السلام کو بھی ہمراہ حج پر لے گئے جب امام رضاؑ طواف رداع کرر ہے تھے اور امام محمد تقیؑ آپ کے غلام موفق کے کندھے پر سوار تھے اور غلام آپ کو طواف کرار ہے تھے جب حجر اسماعیل کے پاس پہنچ گئے تو آپ کندھے سے اتر کر بیٹھ گئے اور غم والم کے آثار آپ کے چہرہ مبارک سے ظاہر ہوئے اور دعا ومنا جات میں مشغول ہوئے اور دعا کو بہت طول دیا موفق غلام نے آپؑ سے عرض کیا قربان جاؤں اُٹھیئے آپ نے فرمایا میں یہاں سے جدا نہیں ہونگا جب تک میرا اٹھنا خدا کو منظور نہ ہو موفق غلام امام رضاؑ کی خدمت میں آیا اور آپ کے سعادت مند بیٹے کے حالات بتا دیئے تو حضرتؑ اپنے نور نظر کے پاس آئے اور فرمایا میرے پیارے اٹھو باغ امامت کی اس کلی نے عرض کیا بابا جان میں کس طرح اُٹھو جب کہ میں جانتا ہوں کہ آپؑ خانہ خدا سے اس انداز میں وداع ہو رہے ہو کہ پھر پلٹ کر نہیں آئینگے مگر اپنے بابا جان کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اٹھ کر روانہ ہوئے اور امام رضاؑ ۲۰۰ھ ہجری میں خراسان کی طرف روانہ ہوئے اور مشہور قول کے مطابق اس وقت امام محمد تقی علیہ السلام کی عمر مبارک سات ۷ سال تھی جب آپ سفر کی طرف روانہ ہوئے تو راستے میں ہر منزل پر بہت معجزات و کرامات اس مخزن اسرار سے ظاہر ہوئے اور ان اسرار و کرامات میں سے اکثر آثار اب بھی موجود ہیں اسیطرح صاحب کشف الغمہ اور دیگر علماء نے نقل کیا ہے جب امام رضا علیہ السلام عشار پور پہنچ گئے تو لوگوں کا بڑا رش تھا اس

دوران ابوذرعہ اور محمد بن اسلم طوسی نے جو احادیث نبویہ کے حافظ تھے عرض کیا اے
سادات کے سردار کے بیٹے اے امام اور ائمہ کے بیٹے آپ کو اپنے آبا طاہرین اور
اصحاب کرام کا واسطہ اپنے چہرہ مبارک کی ہمیں دیدار کرائیں اپنے آباواجداد اور نانا
رسول خدا سے کوئی حدیث بیان کریں تا کہ اس حدیث کی وجہ سے ہم آپ کو یاد
رکھیں جب حافظان حدیث ابوذرعہ اور محمد بن اسلم طوسی نے یہ تمنا ظاہر کی تو حضرت
نے اپنے سواری کے خچر کو روکا ور پالکی کا سائبان کو اٹھوا دیا اسیطرح مسلمانوں کی
نگاہوں کو اپنے چہرہ اقدس کی زیارت سے منور کر دیا لوگ کھڑے تھے بعض چیخیں
مار کر رو رہے تھے بعض گریباں چاک کرتے اور بعض زمین پر لوٹتے اور آپ کی
سواری کے سموں کے بوسے لیتے تھے اور بعض گردنیں اٹھا کر پالکی کے سائباں کو
دیکھ رہے تھے اس حالت میں دوپہر ہوگئی علماء اور ائمہ جماعت چلانے لگے لوگو سنو
رسول اللہ کو آپ کی اولاد کی وجہ سے ازیت نہ پہنچاؤ اور کان لگا کر سنو تمہارا رونا چیخ و
پکار سے امام حدیث بیان نہیں کر سکتے تم خاموش ہو جاؤ تا کہ حضر امام رضا حدیث
بیان کر سکے ان کو اذیت و تکلیف سے رسول اللہ کو اذیت دینا ہے اور اس اعلان پر
نیشاپور کے لوگوں نے کان دھرا تا کہ امام رضا حدیث بیان کرے امام نے ابوذرعہ
اور محمد بن اسلم کو حدیث لکھوائی پھر آپ ایک جملہ ارشاد فرماتے اور یہ دونو لوگوں تک
پہنچاتے اور اس حدیث کو لکھنے کے لئے چوبیس ہزار قلمدان استعمال ہوئے امام علیہ

السلام نے یہ حدیث اپنے آباواجداد کی سند سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچایا اور رسول اسلام تک حضرت جبرائیل نے پہنچائی میں نے سنا رب سبحانہ تعالی فرماتا ہے کَلِمَۃُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ حِصْنِی فَمَنْ قَالَھَا دَخَلَ حِصْنِی وَ مَنْ دَخَلَ حِصْنِیْ اَمِنَ عَنْ عَذَابِیْ یعنی کَلِمَہ لا الہ اللہ میرا قلعہ ہے پس جو شخص یہ کلمہ کہے وہ میرے حصار یعنی قلعے میں داخل ہوا اور وہ میرے عذاب سے مامون ہو جائیگا اس کے بعد امام علیہ اسلسلام نے پالکی کا پردہ گرانے کا حکم دیا اور چند قدم آگے بڑھ کر پھر فرمایا۔ بِشَرْطِھَا وَ شُرُوطِھَا وَ اَنَا مِنْ شُرُوْطِھَا۔ کلمہ شرائط کے ساتھ پڑھا جائے اور میں ان شرائط میں سے ہوں اسطرح جب امام رضاؑ مرو میں وارد ہوئے تو مامون عباسی نے نہایت تعظیم وتکریم کی اور اپنے خاص احباب اور وزرا کو جمع کر کے کہا لوگو میں نے آل عباسی اور آل علیؑ میں غور وخوص کیا ہے اور کسی شخص کو امر خلافت کے حقدار علیؑ ابن موسیٰؑ سے زیادہ نہیں دیکھا پھر امام علی رضاؑ کی طرف رخ کر کے کہنے لگا میں نے ارادہ کیا ہے کہ اپنے آپ کو خلافت سے معزول کر کے خلافت آپ کے حوالے کر دوں اس پر حضرت نے فرمایا اگر خداوند عالم نے خلافت کو تیرے لئے قرار دیا ہے تو پھر تمہیں یہ اختیار نہیں کہ تم کسی دوسرے کو بخش دو اور اپنے آپ کو معزول کرو اگر خلافت تمہاری نہیں تو پھر تمہیں یہ اختیار بھی نہیں ہے کہ کسی کو دیدو اس پر مامون کہنے لگا یہ ضروری ہے کہ اس کو قبول کر لو حضرت نے فرمایا

میں کسی صورت بھی اپنی رضا و رغبت سے قبول نہیں کرونگا اسطرح دو ماہ تک یہ گفتگو ہوتی رہی حضرت اس کے مقصد سے آگاہ تھے اس لئے اس نے جتنا زور لگایا آپؑ انکار کرتے رہے جب مامون کو خلافت کے حوالے سے مایوسی ہوئی تو کہنے لگا اگر آپ خلافت کو قبول نہیں کرتے تو میری ولی عہدی جان نشینی قبول کریں تا کہ میرے بعد آپ کی خلافت ہو حضرت نے فرمایا میرے آباو اجداد نے مجھے رسول خداؐ کی طرف سے یہ خبر دی ہے کہ میں تجھ سے پہلے اس دنیا سے رخصت ہو جاونگا اور مجھے زہر ستم سے شہید کرینگے اور مجھ پر زمین و آسمان کے فرشتے گریہ کرینگے اور غربت و مسافرت میں ہارون الرشید کے پہلو میں دفن ہونگا یہ باتیں سنکر مامون رونے لگا اور کہنے لگا جب تک میں زندہ ہوں کون آپ کو قتل کر سکتا ہے اور آپ سے بدی کرنیکا خیال دل میں لا سکتا ہے اور حضرتؑ نے فرمایا اگر میں چاہوں تو بتا سکتا ہوں کہ مجھے کون شہید کریگا مامون کہنے لگا ان باتوں سے آپ کی غرض یہ ہے کہ میری ولی عہدی قبول نہ کریں تا کہ لوگ یہ کہیں کہ آپ نے دنیا کو چھوڑ دیا یعنی لات ماردی اور حضرت نے یہ فرمایا خدا کی قسم جس دن سے میرے پروردگار نے مجھے پیدا کیا ہے اب تک میں نے کبھی جھوٹ نہیں بولا ہے اور دنیا کے لئے دنیا کو ترک نہیں کیا ہے اور تیرے مقصد کو بھی میں جانتا ہوں مامون کہنے لگا میری کیا غرض ہے آپؑ نے فرمایا تیری غرض یہ ہے کہ لوگ کہیں کہ علیؑ ابن موسیٰؑ نے دنیا کو ترک نہیں کیا تھا بلکہ

دنیا نے اسے چھوڑ دیا تھا اور اب دنیا اسے میسر آئی تو خلافت کی طمع نے ولی عہدی کو قبول کرایا اس پر مامون غصہ سے آگ بگولہ ہوکر کہنے لگا آپ ہمیشہ نامناسب باتیں میرے سامنے کرتے ہیں اور میری سطوت سے مامون ہو گئے ہو۔

خدا کی قسم اگر میری ولی عہدی قبول نہ کی تو میں آپ کی گردن اڑا دونگا اس پر حضرتؑ نے فرمایا خداوند عالم نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ میں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالوں اگر مجبور کرتے ہو تو میں قبول کر لیتا ہوں بشرطیکہ کسی تقرری اور تنزلی کا کام نہیں کرونگا اور نہ کسی رسم کو توڑونگا اور نہ کوئی حکم صادر کرونگا میں دور سے خلافت کو دیکھتا رہونگا مامون ان شرائط پر راضی ہو گیا اس کے بعد حضرت نے آسمان کی طرف ہاتھ اُٹھا کر عرض کیا خدایا تو جانتا ہے کہ مجھے مجبور کیا گیا ہے اور جبر و اکراہ سے یہ امر میں نے قبول کیا ہے پس مجھ سے مواخذہ نہ کرنا جیسا کہ تو نے اپنے بندوں اور دو پیغمبروں یوسفؑ و دانیالؑ کا مواخذہ نہیں کیا ہے جب کہ انہوں نے اپنے زمانے کے بادشاہ کی طرف سے ولایت عہدی قبول کر لیا تھا خدایا کوئی عہد تیرے عہد کے علاوہ نہیں اور نہ کوئی ولایت مگر وہ تیری طرف سے ہو پس مجھے توفیق عطا کر کہ تیرے دین کو قائم رکھوں اور تیرے پیغمبر کی سنت کو زندہ کروں بیشک تو بہترین مولا اور بہترین مددگار ہے۔ اسطرح آپ علیہ السلام نے بادل نخواستہ غمگینی کے ساتھ مامون الرشید کی ولی عہدی قبول کر لی اور دوسرے دن رمضان کی چھے تاریخ تھی

جیسا کہ علامہ شیخ مفیدؒ کی تاریخ شرعیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مامون نے ایک بہت بڑا اجلسہ منعقد کیا اور حضرت کے لئے اپنی کرسی کے ساتھ ایک کرسی رکھوادی اور آپ کے لئے تکیہ لگوا دیا اور تمام اکابرین علماء اور سادات کو جمع کیا اور سب سے پہلے اپنے بیٹے عباس کو حکم دیا کہ وہ امام علی رضاؑ کی بیعت کرے اس کے بعد لوگوں نے بیعت کی پھر سونا اور نقد کی تھیلیاں لائی گئی اسیطرح بہت سے انعامات اور تحفے لوگوں میں تقسیم ہوئے شعرا اور خطباء کھڑے ہوئے حضرت کی شان میں خطبے اور قصیدے پڑھے اور اپنے انعامات حاصل کر لئے۔ مامون نے حکم دیا کہ ممبروں پر آپؑ کا نام بلند ہوا اور حکومتی سکوں پر آپ کا نام اور لقب درج ہوا اور اس سال مدینہ منورہ میں منبر رسولؐ پر خطبہ پڑھا گیا اور امام علی رضا علیہ السلام کے لئے اس ولی عہدی پر دعا کی گئی مامون نے اپنی بیٹی ام حبیب کی امام سے شادی کردی اور اپنی دوسری بیٹی ام فضل کو امام محمد تقی علیہ السلام سے منسوب کیا اور مامون نے خاندان بنی امیہ کی بدعت کالا لباس ترک کیا اور سبز لباس پہننے کا حکم دیا اور اسی سال ابراہیم بن موسیٰؑ امام رضاؑ کے بھائی نے حج کرایا مامون نے اس کو حج کا سربراہ مقرر کیا تھا جب عید کا دن آیا تو مامون نے حضرت امام علی رضاؑ کی خدمت میں پیغام بھیجا کہ آپ نماز عید پڑھائیں اور خطبہ عید ارشاد فرمائیں۔ مگر حضرت نے جوابی پیغام میں فرمایا تجھے معلوم ہے کہ میں نے اس شرط پر ولی عہدی قبول کی تھی کہ ان کاموں میں مداخلت

نہ کروں گا مجھے لوگوں کے ساتھ نماز عید پڑھنے سے معاف رکھو مگر مامون نے کہلا بھیجا میں چاہتا ہوں کہ ان کاموں سے لوگوں کو یہ اطمینان ہو جائے کہ آپ میرے ولی عہد اور جان نشین ہیں اور لوگ آپ کے فضل و مقام کو پہچانیں حضرت نے قبول نہ کیا مگر مامون کی طرف سے مسلسل قاصد آتا رہا اور لوگوں کا بھی اصرار ہوا تو مجبوراً آپؑ نے پیغام بھیجا اگر مجھے معاف رکھو تو یہ بہتر ہوگا اور اگر معاف نہیں کرتے تو میں نماز عید کے لئے اس انداز سے جاونگا جسطرح رسولؐ خدا اور امیر المومنین علیؑ ابن ابیطالب علیہم السلام جایا کرتے تھے مامون نے حکم دیا کہ آپ نماز عید کے لئے جسطرح چاہے جائیں اور حکم دیا تمام بڑے امیر دربان اور لوگ امام کے دروازے پر صبح سویرے حاضر ہوں راوی کہتا ہے جب عید کا دن آیا تو لوگ حضرت کی دیدار کے لئے راستوں پر چھتوں پر جمع ہوئے اور عورتوں اور بچوں کا بھی اجتماع ہوا اور امام رضا علیہ السلام کے باہر آنے کے انتظار میں آ بیٹھے فوجی آفیسر اور جوان گھوڑوں پر سوار ہو کر در دولت پر کھڑے ہو گئے یہاں تک کہ سورج نکل آیا پس حضرت نے غسل عید کر کے لباس پہنا خوشبو لگایا کپاس کا بنا ہوا سفید عمامہ سر پر رکھا اس کا شملہ اور تحت الحنق سینہ اور کاندھوں پر لٹکایا عصا ہاتھ میں لیا اور اپنے غلاموں سے فرمایا تھا تم ایسا کرو جیسا میں نے کیا ہے پس اسیطرح وہ لوگ حضرت کے آگے آگے گھر سے باہر نکلے حضرت ننگے پاؤں عیدگاہ کی جانب روانہ ہوئے اور آسمان کی طرف سر اٹھا

کر عید کی تکبیر کہی اس پر آپ کے غلاموں اور ساتھیوں نے بھی تکبیر کہا اس حالت کو دیکھ کر فوجی آفیسروں نے بھی شرمندگی کے ساتھ اپنے جوتے اتار دئے اور جوتوں کے تسمے توڑ کر ننگے پاؤں کے ساتھ پا پیادہ ہوگئے راوی کہتا ہے کہ امام علیہ السلام نے گھر کے دروازے پر تکبیر کہی تو سب لوگوں نے آپ کے ساتھ تکبیر کہا اس وقت ہمیں یہ خیال آیا کہ آسمان اور دیواریں بھی آپ کے ساتھ تکبیر کہہ رہے ہیں اور لوگ حضرت کی تکبیر سن کر دھاریں مار مار کر رو رہے تھے یہاں تک مرد کا شہر لوگوں کے گریہ و بکا کی آواز سے گونجنے لگا جب اس حالت کی خبر مامون الرشید تک پہنچی تو وہ ڈر گیا اگر حضرت رضاؑ اس حالت کے ساتھ عید گاہ تک پہنچ گئے تو لوگ آپ پر اور فریفتہ ہوجائنگے اس لئے آپ کو جانے نہ دیا جائے اس لئے مامون نے آپ کی خدمت میں کسی شخص کو کہلا بھیجا کہ ہم نے آپ کو زحمت دیا آپ واپس آجائیں آپ کو تکلیف نہ ہو اور جو شخص ہر سال نماز عید پڑھاتا تھا وہی نماز پڑھائے پس حضرت نے اپنی سواری منگوایا اور سوار ہو کر گھر واپس چلے گئے اور اس دن کے بعد لوگوں کا معاملہ اختلاف میں پڑھ گیا اور نماز کا انتظام درہم برہم ہوگیا مولف کہتا ہے اگر چہ مامون ظاہراً امام علی رضاؑ کی تعظیم و توقیر میں کوشاں رہتا تھا اور آپ کے احترام میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتا تھا مگر باطن میں سانپ کی طرح لوٹتا اور ڈستا تھا۔

شیخ صدوق علیہ الرحمۃ نے احمد بن علی سے یہ روایت نقل کی ہے اور احمد کہتا

ہے کہ میں نے ابوصلت ہر روی سے پوچھا اس عزت واحترام کے ساتھ آپؑ کو اپنا ولی عہد بنایا تھا پھر کیوں آپؑ کے قتل پر راضی ہوگیا۔ جب کہ آپؑ کی عظمت و بزرگی کو وہ جانتا تھا ابوصلت نے کہا ولی عہدی اس لئے آپ کے سپرد کیا تھا تاکہ عام لوگ یہ سمجھے کہ امام دنیا کی طرف راغب و مائل ہیں اسطرح لوگوں کے دلوں میں آپ کی محبت وعقیدت کم ہو جائے مگر سب تدبیریں الٹی ہوگئی اس سے لوگوں کی محبت وعقیدت مندی اور اخلاص میں اوراضافہ ہوا تو مامون عباسی نے تمام مذاہب کے علماء یعنی مجوسی یہودی نصارا صابی براہمہ ملحدین اور دہرین کو جمع کیا تاکہ یہ لوگ امام رضاؑ سے مباحثہ ومناظرہ کرے اور وہ آپ پر غالب آجائے تاکہ اسطرح آپ کی کمزوری اور نقص کو ظاہر کرائے تاکہ لوگوں کی محبت و اعتقادات میں کمزوری آجائے اور یہ تدبیر بھی بے مقصد و بے نتیجہ رہی اور وہ سب کے سب بحث ومناظرہ علمی میں مغلوب ہوئے اور آپؑ کی علمی جلالت وفضیلت کا برملا اقرار کیا۔

اَلْفَضْلُ مَا شَهِدَتْ بِهِ الْاَعْدَاءُ

حضرت امام رضاؑ کی روحانی اور علمی بصیرت اور حق گوئی کی وجہ سے مامون عباسی آپؑ کو اپنی راہ سے ہٹانا چاہتا تھا اس لئے سازشوں کے جال بنتا تھا۔ اور صحیح سند کے ساتھ آپ علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا خدا کی قسم ہم اہلبیت میں سے کوئی شخص ایسا نہیں مگر یہ کہ وہ قتل ہوگا اور اس کو شہید کر دیا جائیگا غرض

کیا گیا فرزند رسول آپ کو کون شہید کریگا آپ نے فرمایا میرے زمانے کا بدترین مخلوق خدا مجھے زہر سے شہید کریگا اور ملک و دوستوں سے دور غربت و مسافرت میں مجھے دفن کریگا پس جو شخص اس غربت میں میری زیارت کریگا خداوند عالم ایک لاکھ شہیدوں ایک لاکھ صدیقوں اور ایک لاکھ جہاد کرنے والے کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں لکھے گا وہ ہمارے ساتھیوں میں شمار ہوگا بہشت کے اونچے درجات میں ہمارے ساتھی اور رفیق ہوگا جناب ابن بابویہ قمیؒ نے صحیح سند کے ساتھ یہ روایت نقل کی ہے کہ خراسان والوں میں سے ایک شخص نے امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا میں نے پیغمبر خدا کو خواب میں دیکھا ہے اور آپ نے مجھ سے فرمایا تم اہل خراسان کا کیا حال ہوگا۔ جس وقت تمہاری سرزمین میں میرے بدن کے ٹکڑے کو دفن کرینگے اور میری امانت تمہارے سپرد کرینگے اور تمہاری زمین میں میرا ایک ستارہ ڈھوب جائیگا اس پر امام رضاؑ نے فرمایا وہ ستارہ میں ہوں جو تمہاری زمین میں دفن ہونگا اور میں یہی تمہارے پیغمبرؐ کے بدن کا ٹکڑا ہوں اور میں ہی آسمان امانت و ہدایت کا ستارہ ہوں پس جو میری زیارت کریگا اور میرے حق کو پہچانے اور میری اطاعت اپنے اُوپر لازم قرار دے تو میں اور میرے آباؤ اجداد قیامت کے دن اس کے شفیع ہونگے اور جس کے ہم شفیع ہونگے وہ ضرور نجات پائیگا اگرچہ اس کے ذمے جن وانس کے گناہ ہوں بیشک میرے باپ نے اپنے آباؤ

اجداد کے توسط سے مجھے خبر دی ہے کہ پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا ہے کہ جو شخص مجھے خواب میں دیکھے اس نے مجھ ہی کو دیکھا ہے کیونکہ شیطان میری شکل میں متشکل نہیں ہو سکتا ہے اور نہ میرے کسی وصی کی شکل میں اور نہ ہی ہمارے کسی خالص شیعہ کی شکل میں کیونکہ سچا خواب نبوت کے ستر اجزاء میں سے ایک جز ہے۔

اسیطرح معتبر سند کے ساتھ حضرت امام صادق علیہ السلام سے روایت نقل ہے کہ حضرت رسول اکرمؐ نے فرمایا ہے کہ میرے بدن کا ایک ٹکڑا خراسان کی سرزمین میں دفن ہوگا جو مومن اس کی زیارت کریگا بیشک اس کے لئے جنت واجب ہے اور جہنم کی آگ اس کے جسم کے لئے حرام ہے پھر صحیح سند کے ساتھ امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے اور آپ نے فرمایا میرے بیٹے موسیٰ کاظمؑ سے ایک بیٹا ہوگا جسکا نام امیر المومنینؑ کے نام کے مطابق ہوگا اسے خراسان لیجا کر زہر سے شہید کرینگے اور مسافرت و غربت میں اسے دفن کرینگے پس جو کوئی اس کی زیارت کریگا اور اس کے حق کو پہچانیگا تو خداوند عالم اس کو ان اشخاص جیسا اجر یعنی ثواب عطا کریگا جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے راہ خدا میں اپنی جان و مال خرچ کیا ہے اور معتبر سند کے ساتھ امیر المومنین علی علیہ السلام سے منقول ہے اور آنجناب نے فرمایا میری اولاد میں سے ایک شخص خراسان میں زہر اور ظلم وعدوان سے شہید ہوگا۔ جس کا نام میرے نام کے مطابق ہے اور اس کے باپ کا نام موسیٰ بن عمران کی طرح

ہے اور جو شخص اس کی اس غربت میں زیارت کرے تو خداوند عالم اس شخص کے گزشتہ اور آئندہ گناہ معاف کر دیگا اگر چہ وہ گناہ آسمان کے ستاروں اور بارش کے قطروں اور درختوں کے پتوں کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔

حضرت امام رضا علیہ السلام کو شاہ خراسان اور غریب طوس بھی کہتے ہیں جناب ابو صلت ہروی کی روایت ہے کہ ایک دن میں امام رضاؑ کی خدمت میں کھڑا تھا آپؑ نے فرمایا ہارون الرشید کے گنبد میں جا کر اس کی قبر کے چاروں طرف سے ایک ایک مٹھی مٹی اٹھالا جب میں وہ مٹی لے آیا تو آپ نے اسے سونگ کر پھینک دیا اور فرمایا مامون الرشید یہ چاہیگا کہ اپنے باپ کی قبر کو میری قبر کا قبلہ قرار دے اور مجھے اس جگہ دفن کرے مگر وہاں ایک سخت قسم کا پتھر ظاہر ہوگا۔ اگر خراسان کے سب ہتھوڑے والے اس کو اکھاڑنے کے لئے جمع ہو جائیں تو اسے اکھاڑ نہیں سکیں گے پھر آپ نے سر اور پائنتی کی طرف کی مٹی کو سونگا جب قبلہ کی جانب کی مٹی سونگا تو فرمایا عنقریب میری قبر اس جگہ کھودینگے ان سے کہنا سات سیڑھی کے برابر زمین کے نیچے تک کھودیں اور اس کی لحد دو ہاتھ ایک بالشت بنائیں اور خداوند عالم جتنا چاہیگا اسے کشادہ کریگا اور جنت کے باغوں میں سے ایک باغ بنا دیگا۔ اے ابو صلت جب قبر کی کھدائی ہوگی تو سرہانے کی طرف سے کچھ رطوبت (نمی) ظاہر ہوگی پس جو دعا میں تجھے تعلیم دونگا وہ دعا پڑھنا یہاں تک خدا کی قدرت سے وہاں پانی نکل آئیگا

اور لحد پانی سے بھر جائیگا۔ اور چند چھوٹی مچھلیاں اس پانی میں ظاہر ہونگی پس یہ روٹی جو میں تمہیں دے رہا ہوں ٹکڑے کر کے اس پانی میں ڈالدینا تا کہ وہ مچھلیاں کھالینگے اور اس وقت ایک بڑی مچھلی ظاہر ہوگی اور ان سب چھوٹی مچھلیوں کو کھانے کے بعد غائب ہو جائینگی اس وقت تم پانی پر ہاتھ رکھ کر یہ دعا پڑھنا جو میں تمہیں سکھانے لگا ہوں تا کہ وہ پانی زمین میں جذب ہو جائے اور لحد خشک ہو جائیگی اور سارا کام مامون کی موجودگی میں کرنا اور فرمایا میں کل اس فاجر کی مجلس میں جاؤنگا اگر اس کی محفل سے سر ڈھانکے بغیر باہر آجاونگا تو مجھ سے بات کرنا اگر کسی چیز سے سر ڈھانپا ہوا ہو تو مجھ سے بات نہ کرنا خلاصہ یہ کہ جناب ابوصلت فرماتے ہیں جب مامون کا غلام امامؑ کو بلانے کے لئے آیا تو تیاری کے بعد مامون کی مجلس میں تشریف لے گئے اور میں بھی ہمراہ تھا اس وقت مختلف میوہ جات کے کئے طبق مامون کے سامنے تھے مگر وہ انگوروں کا ایک گچھ ہاتھ میں لئے ہوئے تھا جس کے کچھ دانوں میں سوئی کے دھاگے کے ساتھ زہر کو گزارا ہوا تھا اور ان میں سے کچھ دانے میں زہر آلود نہ تھے تہمت سے بچنے کی خاطر خود کھا رہا تھا جب مامون کی نظر حضرت پر پڑھی تو والہانہ انداز میں اپنی جگہ سے کھڑا ہوا اور آپ کے گلے میں ہاتھ ڈالدیا اور اس نور چشم مصطفیٰ ﷺ کی پیشانی کا بوسہ لیا اسیطرح ظاہراً احترام واکرام میں کمی نہیں کیا اور آپ کو مسند پر بٹھا کر انگوروں کا گچھہ آپ کے ہاتھ میں دیکر کہنے

لاگا اے فرزند رسولؐ میں نے اس سے بہتر انگور نہیں دیکھا ہے اور حضرت نے فرمایا شاید جنت کے انگور اس سے بہتر ہیں مامون نے کہا تناول فرمائیں حضرت امام رضاؑ نے فرمایا ان انگوروں کے کھانے سے معافی دو مگر مامون نے زیادہ اصرار کیا اور کہنے لگا ضرور ان میں سے کھائیں کیا آپ مجھے متہم کرتے ہو جب کہ میں اخلاق دکھا رہا ہوں اور یہ کیسا گمان ہے جو آپ میرے متعلق رکھتے ہو اس پر آپ نے انگوروں کے گچھہ سے چند دانے کھائے اور دو بارہا آپ کے ہاتھ میں دیدیا جب امام مسموم و مظلوم نے انگور کے تین دانے کھا لئے تو آپ کی طبعت بدل گئی تو آپ نے انگور کے گچھہ کو زمین پر پھینک دیا اور مجلس سے اٹھ کر چلے ہوئے تو مامون کہنے لگا چچا کے بیٹے کہاں جاتے ہو اس پر امامؑ نے فرمایا جہاں تم نے بھیجا ہے اور حضرت غم والم کے ساتھ سر مبارک ڈھانکے مامون کے گھر سے نکلے ابو صلت ہروی بیان کرتا ہے کہ جو کچھ امام علی رضا علیہ اسلام نے حکم دیا تھا اس پر میں نے عمل کیا اور گھر کے دروازے بند کر دئے تھے لیکن اچانک ایک نوجوان کو دیکھا جو بند دروازوں کے باوجود گھر میں داخل ہوا میں نے پوچھا آپ کون ہیں اس پر فرمایا اے ابو صلت میں تم پر خدا کا حجت ہوں میں محمد ابن علیؑ ہوں مدینہ سے آیا ہوں تا کہ اپنے مسموم و مظلوم باپ کی زیارت کروں اور وداع کروں اور آپ حجرے میں چلے گئے جہاں امام رضاؑ تشریف رکھتے تھے جب امام مسموم کی نظر اپنے معصوم بیٹے پر پڑھی تو اپنی جگہ سے

اٹھے اور حضرت یعقوبؑ کی طرح اپنے یوسفؑ گم گشتہ کو اپنی گود میں لیا پھر گلے میں باہیں ڈالکر اپنے سینے سے لگا کر بھینچا اور پیشانی کا بوسہ لیا اور اپنے اس معصوم بیٹے کو اپنے لحاف میں لیا اور ان سے اسرار ملک وملکوت اور خزائن علوم حی و قیوم کی باتیں کرتے رہے مگر وہ راز و نیاز کی باتیں میں نہیں سمجھ سکتا تھا اسیطرح ابواب علوم اولین و آخرین اور احکام سید المرسلین آپ کے سپرد کیے اس دوران امامؑ کی لبوں پر جھاگ سا دیکھا جو برف سے زیادہ سفید تھا امام محمد تقیؑ نے اس جھاگ کو چاٹا اور اپنا ہاتھ باپ کے سینے کے درمیان لے گئے اور چڑیا کی طرح کی ایک چیز باہر نکال لی اور اسے بھی نگل لیا اور اس کے بعد امام رضا مسموم علیہ السلام کی روح ریاض قدس کی طرف پرواز کر گئی آپ کی تاریخ شہادت کے متعلق زیادہ مشہور یہ ہے کہ آپکا وصال ۱۷ ماہ صفر ۲۰۳ھ ہجری میں ہوا ہے ابن اثیر طبرسی اور بعض علماء نے سفر کا آخری دن کہا ہے اور کچھ نے چودہ تاریخ لکھا ہے اور شیخ کفعمی نے اس ماہ کی سترہ بتائی ہے اور صاحب کتاب العدد اور صاحب مسار الشیعہ نے ۲۳ ذیقعدہ لکھا ہے اور سید ابن طاؤس نے اپنی کتاب اقبال میں لکھا ہے کہ اس دن دور اور نزدیک سے آپ کی زیارت پڑھنا مستحب ہے اور حمیری نے ثقہ جلیل معمر بن خلاد سے نقل کیا ہے کہ ایک دن مدینہ منورہ میں امام محمد تقی علیہ السلام نے فرمایا اے معمر سوار ہو جا میں نے عرض کیا کدھر جائیں فرمایا سوار ہو جاؤ اس سے کیا سروکار ہے پس سوار ہوا اور حضرت

کے ساتھ ہولیا یہاں تک کہ ایک وادی یا ایک جگہ پر پہنچے امامؑ نے فرمایا یہاں کھڑے رہو پس میں وہی کھڑا رہا یہاں تک کہ حضرت واپس آئے میں نے عرض کیا آپ پر قربان آپ کہاں تشریف لے گئے تھے امامؑ نے فرمایا خراسان گیا تھا اور اس وقت میں نے اپنے بابا کو دفن کیا ہے اور اسیطرح شیخ طبرسی نے اعلام الوریٰ میں امیہ بن علی سے روایت کی ہے میں مدینہ میں تھا اور ہمیشہ امام محمد تقیؑ کی خدمت میں جایا کرتا تھا اور سلام عرض کرتا تھا اس زمانے حضرت امام رضا علیہ السلام خراسان میں تھے امام محمد تقیؑ کا خانوادہ اور آپ کے والد کے چچا آپ کی خدمت میں آکر سلام کرتے اور تعظیم وتکریم کرتے تھے اور ایک دن آپؑ نے ان سب کی موجوگی میں اپنی کنیز کو بلا کر فرمایا ان گھر والوں سے کہہ دو کہ وہ ماتم کے لئے تیار ہو جائیں جب وہ لوگ چلے گئے تو ایک دوسرے سے کہنے لگے کہ ہم نے یہ نہیں پوچھا کس کے ماتم کے لئے تیار ہوں اسیطرح دوسرے دن ہوا تو پھر حضرت نے اس کنیز سے وہی فرمایا تو ان لوگوں نے عرض کیا کس کے ماتم کے لئے تیار ہوں اس پر امام نے فرمایا اہل زمین میں سے بہترین شخص کے ماتم کے لئے پھر چند دنوں کے بعد خبر آئی کہ جس دن آپ کے فرزند نے خبر دی تھی اس دن حضرت امام رضاؑ نے عالم بقاء کی طرف کوچ کیا تھا۔

علماء نے حضرت امام علی رضاؑ کا امام محمد تقیؑ کے علاوہ کسی بیٹے کا ذکر نہیں کیا

ہے اور بعض نے تو یہ کہا ہے کہ آپ کی اولاد امام محمد تقیؑ پر منحصر تھی اور شیخ مفیدؒ نے فرمایا ہے کہ امام رضاؑ کی دنیا سے رحلت ہوئی تو ہم آپ کے کسی اور بیٹے سے باخبر نہیں تھے مگر آپ کے اس بیٹے کے جو آپ کے بعد امام وقت تھے جو ابو جعفر محمد تقیؑ ابن امام علی رضاؑ تھے اور باپ کی وفات کے وقت آپ کی عمر مبارک سات سال چند ماہ تھی اور اسی طرح علامہ ابن شہر آشوبؒ نے وضاحت کی ہے کہ آپ کے بیٹے محمد تقیؑ ہی امام ہیں اور علامہ محمد باقر مجلسی نے بحار الانوار میں عیون اخبار الرضاء سے ایک روایت نقل کیا ہے کہ امام رضاؑ کی ایک بیٹی بھی تھی اور آپ کا نام فاطمہ تھا جس نے اپنے پدر بزرگوار سے ایک حدیث بھی نقل کیا ہے اور علامہ شیخ صدوقؒ نے بھی حضرت فاطمہ کی سند کی تائید کی ہے اور شعراء کرام نے امام رضاؑ کے بہت سے مرثیئے لکھے ہیں چنانچہ علامہ محمد باقر مجلسیؒ نے اپنی مشہور کتابؒ بحار میں ایک مستقل باب لکھا ہے اسی طرح آپ کی مقدس زندگی کے واقعات آپ کے قصائد مراثی اور زیارات کے حوالے سے بہت زیادہ تفصیل طلب باتیں موجود ہیں مگر اس کتاب میں اس تفصیل کی ضرورت نہیں ہے۔

امام رضا علیہ السلام کے بڑے مداحوں میں صف اول کے مداح دعبل خزاعی جو شعروادب اور بلاغت کلام میں اعلیٰ مقام رکھتے تھے شہید ثالث قاضی نوراللہ شوستریؒ نے اپنی کتاب مجالس المومنین میں لکھا ہے اور آپ کے اچھے

کاموں کی تفصیل کتاب کشف الغمہ اور عیون اخبالا رضا کے علاوہ دیگر کتب امامیہ میں ذکر ہے اور کشف الغمہ میں خود دعبل خزاعی سے نقل کیا ہے کہ جب میں نے قصیدہ موسومہ بمدارس آیات کو لکھا تو ارادہ کیا کہ امام ابوالحسن علی ابن موسیٰ رضاؑ کی خدمت میں خراسان جا کر آپؑ کے حضور میں پیش کروں اس لئے جب میں خراسان گیا اور حضرت کی خدمت سے شرف ہوا اور میں نے آپ کے سامنے یہ قصیدہ پڑھا تو آپ علیہ السلام نے داد اور شاباش دیکر فرمایا جب تک میں تمہیں حکم نہ دوں یہ قصیدہ کسی اور کے سامنے نہ پڑھنا اسیطرح جب میری آمد کی خبر مامون عباسی کو ہوئی تو اس نے بلایا اور احوال پرسی کے بعد کہنے لگا قصیدہ مدارس آیات میرے سامنے پڑھو مگر میں نے اپنے قصیدہ سے لاعلمی ظاہر کی اس پر مامون عباسی نے اپنے ایک خادم سے کہا کہ حضرت امام رضاؑ کو بلاو ایک گھنٹہ کے بعد حضرت تشریف لائے مامون نے حضرت سے کہا کہ میں نے دعبل سے کہا ہے کہ قصیدہ مدارس آیات میرے سامنے پڑھو تو اس نے لاعلمی ظاہر کی ہے پس حضرت نے فرمایا دعبل وہ قصیدہ پڑھو اور میں نے پڑھا تو مامون الرشید نے بہت داد و تحسین دیا اور پچاس ہزار درہم مجھے انعام دیا اور امام رضاؑ نے بھی مجھے اتنا ہی انعام دیا میں نے حضرت سے گزارش کی کہ میری تمنا ہے کہ مجھے اپنے لباس میں سے ایک کپڑا عنایت کریں تا کہ مرنے کے بعد میں اس کو اپنا کفن بناؤں امامؑ نے فرمایا ایسا کرونگا

پس آپ نے مجھے ایک کپڑا عنایت کیا جسے آپؑ نے استعمال کیا تھا اور ساتھ ہی ایک عمدہ تولیہ بھی عطا کیا اور فرمایا اس سامان کی حفاظت کرنا کہ اس کی وجہ سے محفوظ رہو گے اس کے بعد فضل بن ذوالریاستین نے جو مامون عباسی کا خاص وزیر تھا مجھے ایک اچھا لباس اور ایک ترکی گھوڑا سامان کے ساتھ دیا کچھ مدت گزرنے کے بعد میرا عراق کی طرف جانیکا پروگرام بنا راستے میں ڈاکو ہم پر حملہ آور ہوئے اور ان لوگوں نے مجھے اور میرے ساتھیوں کو لوٹ لیا او میرے جسم پر ایک پرانی قبا کے کچھ نہ رہنے دیا لیکن مجھے اپنے اسباب میں سے کسی چیز پر افسوس نہیں تھا۔

فقط اس کپڑے اور تولیئے کے جو حضرت نے بطور انعام دیا تھا فکر مند تھا چونکہ آپؑ نے اپنے ارشاد میں فرمایا تھا کہ اس کپڑے اور تولیہ کی حفاظت کرنا کہ تم اس کی برکت سے محفوظ رہو گے اچانک ایک ڈاکو اس گھوڑے پر سوار ہو کر آیا جو فضل بن سہل ذوالریاستین نے مجھے دیا تھا اور میرے اشعار میں سے یہ مصرعہ پڑھا کہ مَـدَارِسُ آیـاتٍ خَـلَـتْ مِنْ تِلاوَتٍ اور رونے لگا جب میں نے اس کی حالت دیکھی تو مجھے تعجب ہوا کہ ان کے درمیان ایک شیعہ کو دیکھا تھا اس لئے میں نے کپڑا اور تولیہ واپس ملنے کے خیال سے اس شخص سے پوچھا اے مخدوم یہ قصیدہ کس کا ہے اور اس نے کہا تجھے اس سے کیا سروکار ہے اور میں نے عرض کیا میرے اس سوال کا ایک سبب ہے جو میں تجھے بتاونگا کہنے لگا اس قصیدے کا اپنے کہنے والے کی طرف

نسبت کی شہرت اس سے زیادہ ہے کہ پوشیدہ رہے میں نے کہا وہ کون ہے اور وہ کہنے لگا وہ دعبل بن علی خزاعی شاعر آل محمد علیہم السلام جزاہُ اللہ خیراً ہے اور میں نے کہا میں ہی دعبل ہوں اور یہ میرا شعر ہے اور وہ کہنے لگا یہ جو تم کہہ رہے ہو اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہے پس میں نے کہا قافلہ والوں سے تحقیق کرو اس نے کسی کو بھیج کر قافلہ میں سے کچھ افراد کو حاضر کیا اور میرے بارے میں پوچھا تو انہوں نے بتایا کہ یہ دعبل بن علی خزاعی ہے اور جب میرے متعلق اس کو یقین ہو گیا کہ میں ہی دعبل خزاعی ہوں تو کہنے لگا میں تمام اہل قافلہ کا مال و اسباب تیری وجہ سے واپس کرتا ہوں اور اس وقت منادی نے اپنے ساتھیوں میں ندا دی تو ہمارا لوٹا ہوا مال واپس کر دیا اور ہمیں حفاظت کے ساتھ جائے امن تک پہنچا دیا پس اس واقعہ کے بعد حضرت نے جو کچھ فرمایا تھا اس کا راز ظاہر ہوا اسیطرح تمام قافلہ والے حضرت کے دیئے ہوئے کپڑے اور تولیہ کی حرمت سے محفوظ رہے۔

کتاب عیون الرضا میں ذکر ہے کہ دعبل خزاعی جب اس مصیبت سے آزاد ہو کر قم شہر میں پہنچا تو قم کے شیعہ اس کے پاس آئے اور اس سے قصیدہ مدارس آیات پڑھنے کی استدعا کی تو دعبل خزاعی نے انہیں جامع مسجد لے گیا اور منبر پر جا کر قصیدہ پڑھا اس پر قم والوں نے بہت سا مال اور خلعتیں اس پر نچھاور کیں جب انہیں حضرت کے جبہ مبارک کی خبر ہوئی جو آپ نے دعبل کو عطا کی تھی تو ان لوگوں

نے اس سے درخواست کی کہ وہ جبہ ہزار دینار کے عوض ہمارے ہاتھ بھیج دیں دعبل
نے انکار کیا پھر لوگوں نے خواہش ظاہر کی اس کا ایک ٹکڑا ہزار دینار میں دیدیں اس کو
قبول نہ کیا اسیطرح دعبل خزاعی قم سے باہر نکلا تو بعض جذباتی اور خودسر جوانوں نے
جو وہاں رہتے تھے دعبل کے پاس پہنچ کر جبہ کو زبردستی چھین لیا اس کے بعد دعبل قم
واپس ہوا اور وہاں کے لوگوں سے درخواست کی کہ وہ جبہ اسے واپس کرادیں مگر اس
جوانوں نے انکار کیا اور اپنے بزرگوں کی بات نہ مانی اور دعبل سے کہا جبہ تمہارے
ہاتھ نہیں آیگا پس وہی ہزار دینار لے لو مگر دعبل نے قبول نہ کیا بلا آخر جب ناامید
ہوگیا تو درخواست کی کہ مجھے اس میں سے ایک ٹکڑا دے دو اس گروہ نے یہ بات مان
لی اور جبہ کا ایک ٹکڑا اسے دے دیا اور دعبل اپنے وطن کی طرف لوٹ گیا جب وہ گھر
پہنچا تو اسے معلوم ہوا کہ چور اس کا سارا گھر لوٹ کر لے گئے ہیں چونکہ امام رضا علیہ
السلام سے رخصت ہوتے وقت حضرت نے ایک تھیلی اسے دی تھی اس میں سو دینار
تھے نیز فرمایا تھا اس کی حفاظت کرنا کیونکہ تجھے اس کی خاص ضرورت پڑھیگی دعبل
نے وہ دینار عراق کے شیعوں کو بطور ہدیہ دیدی تھی اور ان لوگوں نے ہر دینار کے
بدلے اسے سو درہم دیئے اسیطرح اس تھیلی کے بدلے دس ہزار درہم اس کے ہاتھ
لگے اسیطرح ان دنوں دعبل کی کنیز کو جو اس کو زیادہ محبوب تھی آنکھوں میں سخت قسم
کی تکلیف ہوگئی تو طبیب اس کے پاس لے آئے انہوں نے آنکھ کا معائنہ کیا اور

کہنے لگے کہ اس کی دائیں آنکھ معیوب ہو چکی ہے اور ہم اس کا علاج نہیں کر سکتے البتہ اس کی بائیں آنکھ کا علاج کرینگے امید ہے کہ وہ ٹھیک ہو جائے دعبل خزاعی یہ بات سنکر غمگین ہوا آخر کار اسے حضرت کے جبہ کے ٹکرا کا یاد آیا تو اس نے اسے کنیز کی آنکھوں پر ملا اور شام سے اس کی پٹی آنکھوں پر بھاندیا اسیطرح جب صبح ہوئی تو اس کی برکت سے کنیز کی آنکھیں پہلے سے زیادہ بہتر ہوگئیں۔

مؤلف کتاب شیخ عباس قمیؒ کہتا ہے کہ وہ سو دینار کی تھیلی جو حضرت نے دعبل خزاعی کو دی تھی ان پر امام کا نام کندہ شدہ رضوی دینار تھے اس لئے شیعوں نے ہر دینار سو درہم پر خریدا تھا چونکہ قاضی نور اللہ شوستریؒ نے ساری روایت عیون اخبار الرضا سے نقل نہیں کیا ہے بلکہ اس کا پہلا حصہ کشف الغمہ سے نقل کیا ہے اس لئے سو دینار اور جبہ والی بات مجمل ہوگئی ہے لہٰذا میں روایت کے پہلے حصے کی طرف عیون اخبار الرضا کے مطابق اشارہ لکھتا ہوں۔ علامہ شیخ صدوقؒ نے معتبر سند کے ساتھ روایت نقل کی ہے کہ دعبل خزاعی امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں مرو کے مقام میں حاضر ہو کر عرض کیا فرزند رسولؐ میں نے آپؑ کی مدح میں ایک قصیدہ لکھا ہے اور میں نے قسم کھائی ہے کہ آپ سے پہلے کسی کے سامنے نہیں پڑھونگا امامؑ نے فرمایا سنا دیں پس میں نے قصیدہ مدارس آیات پڑھا اور اس شعر پر پہنچا۔

أَرَىٰ فَيئَهُمْ فِي غَيْرِهِمْ مُتَقَسِّماً ۔ وَأَيْدِيهِمْ مِنْ فَيْئِهِمْ صَفِرَاتِ

میں دیکھتا ہوں کہ ان کا مال فی ان کے غیر میں تقسیم ہو رہا ہے اور ان کے اپنے ہاتھ مال فی سے خالی ہیں اس پر حضرت رونے لگے اور فرمایا اے خزاعی تو نے سچ کہا ہے اور جب میں اس شعر پر پہنچا

وَ قَبرٌ بِبَغدَادِ لِنَفسٍ ذَکِیَۃٍ ۔ تَضَمَّنَھَا الرَّحمٰنُ فِی الغُرُفَاتِ

اور بغداد میں نفس زکیہ کی قبر ہے رحمٰن خدا نے جنت کے کمروں میں سے اسے قرار دیا ہے اور آپؑ نے فرمایا کیا میں تیرے قصیدے کے اس مقام پر دو شعر شامل نہ کروں تا کہ تیرا قصیدہ مکمل ہو جائے میں نے عرض کیا فرمایئے تب فرزند رسولؐ نے یہ رباعی ارشاد فرمایا۔

وَ قَبرٌ بِطُوسٍ یَا لَھَا مِن مُصِیبَۃٍ ۔ اَلَحَّتْ عَلَی الاَحشَاءِ بِالزَّفِرَاتِ

اِلَی الحَشرِ حَتّٰی یَبعَثَ اللّٰہُ قَائِماً ۔ یُفَرِّجُ عَنَّا الھَمَّ وَ الکُرُبَاتِ

اور ایک قبر طوس میں ہے اور کتنی بڑی ہے اس کی مصیبت اس نے اپنی گرم سانسوں سے انتڑیوں کو چھیل دیا ہے حشر کے دن تک جب تک خدا مبعوث فرمائیگا اپنے قائمؑ کو جو ہمارے غم اور مصیبتوں کو دور کر دیگا۔

دعبل خزاعی نے عرض کیا وہ قبر جس کے متعلق فرمایا طوس میں ہے وہ کس کی قبر ہوگی آپؑ نے فرمایا وہ میری قبر ہوگی اور زیادہ وقت نہیں گزریگا طوس شیعوں اور زائروں کے آنے جانے کی جگہ ہوگی پس آگاہ رہو جو شخص میری غربت و

مسافرت میں طوس میں میری زیارت کریگا وہ قیامت کے دن بخشا جائیگا اور میرے درجے میں ہوگا اسطرح جب دعبل قصیدہ پڑھ کے فارغ ہوا تو آپؑ نے اس سے فرمایا کہیں نہیں جانا اور آپ دولت سرا میں تشریف لے گئے پھر کچھ دیر بعد خادم باہر آیا اور سو دینار رضویہ کی تھیلی دعبل کے لئے لے آیا اور کہا میرے مولا نے فرمایا ہے کہ انہیں اپنے لئے خرچ کرلو دعبل کہنے لگا خدا کی قسم میں اس لئے نہیں آیا ہوں اور نہ میں نے یہ قصیدہ کیسی چیز کی طمع میں کہا ہے اور دیناروں کی تھیلی واپس کردی اور تمنا ظاہر کی کہ اپنے لباس میں سے ایک کپڑا عطا کریں تا کہ اس سے برکت اور شرف حاصل کرے پس حضرت نے جبہ خز یعنی ریشمی جبہ تھیلی سمیت اس کے لئے بھیجدیا اور خادم سے فرمایا اسے کہو یہ تھیلی لے لو اس کی اسکو ضرورت پڑھیگی اسے واپس نہ کرے لہٰذا دعبل نے جبہ اور تھیلی لے لی اور قافلہ کے ساتھ مرو سے نکلا جب قافلہ قوہان کے درمیان پہنچا تو ڈاکوں نے ان پر حملہ کیا اور قافلہ والوں کو پکڑ کر ان کی مشکیں باندھ دی اور دعبل بھی گرفتار ہوا ڈاکووں نے قافلہ کے مال و اسباب کو قبضہ میں لے لیا اور آپس میں تقسیم کیا اس دوران موقعہ و مقام کی مناسبت سے ایک ڈاکو نے دعبل خزاعی کا یہ شعر پڑھا۔

اَرَیٰ فَیئَہُمْ فی غَیرِہِم مُستَقِیماً ۔ وَاَیدِیَہُمْ مِن فَیئِہِمْ حَفِرَاتٍ

میں دیکھتا ہوں کہ ان کا مال فی ان کے غیر میں تقسیم ہو رہا ہے اور ان کے اپنے ہاتھ

مال فی سے خالی ہیں دعبل خزاعی نے سنکر کہا یہ شعر کس کا ہے اس نے جواب دیا قبیلہ خزاعی کے ایک شخص کا ہے جسکا نام دعبل ہے اور دعبل نے کہا میں وہی دعبل خزاعی ہوں جس نے یہ قصیدہ کہا ہے وہ شخص اپنے سردار کے پاس گیا جو ٹیلے پر نماز پڑھ رہا تھا وہ شیعہ تھا اس کو دعبل کے واقعہ کی خبر دی تو وہ سردار دعبل کے پاس آ کر کہنے لگا کیا تو دعبل خزاعی ہو جواب دیا ہاں اس پر سردار نے کہا قصیدہ پڑھو دعبل نے پورا قصیدہ پڑھا تو سردار نے حکم دیا دعبل اور تمام قافلہ کی مشکیں کھولدو اور دعبل کی عزت واحترام میں ان کا مال بھی واپس کردو۔

دعبل بن علی خزاعی کی ولادت حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی وفات کے سال ہوئی ہے اور اس کی وفات مقام شوش میں ۲۴۶ھ ہجری میں ہوئی ہے اور ابوالفرج نے اغانی میں لکھا ہے کہ دعبل بن علی مشہور شیعہ تھے اور حضرت علی کی طرف میلان رکھتا تھا۔ اس کا مشہور قصیدہ مدارس آیات بہترین اشعار میں سے ہے اور اس کے تمام اشعار جو اہلبیت علیھم السلام کی شان میں کہا ہے قابل فخر اور بہترین اشعار میں سے ہیں ابوالفرج نے دعبل خزاعی کے امام رضا علیہ السلام کی خدمت میں جانے اور آنجناب کا اسے تیس ہزار درہم رضویہ انعام دینے اور اپنے لباس میں سے اس کو خلعت عطا کرنے کا واقعہ نقل کیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ دعبل نے قصیدہ مدارس آیات ایک کپڑے پر لکھ کر احرام حج بھاندا تھا اور گھر والوں کو حکم دیا

تھا کہ اسے اس کا کفن بنادے تا کہ اس سے برکت وشرف حاصل کرے دعبل خزاعی
ہمیشہ اپنے زمانے کے خلفاء سے خوفزدہ ہو کر ان سے دور اور پوشیدہ رہتا تھا کیونکہ
دعبل نے ان کی ہجو لکھی تھی اور خلفاء بھی ان کی زبان سے ڈرتے تھے اسیطرح
دعبل سے ہی یہ واقعہ بیان ہوا ہے اور وہ کہتا ہے جس زمانے میں میں خلیفہ سے بھا
گا ہوا تھا ایک رات میں نے نیشاپور میں اکیلے کاٹا اس رات میں نے ارادہ کیا کہ
عبداللہ بن طاہر کے بارے میں قصیدہ لکھوں پس جس وقت میں سوچ رہا تھا اور گھر
کا دروازہ بند کر دیا تھا میں نے ایک آواز سنی السلام علیکم یرحمک اللہ خدا تجھے رحمت کر
ے اپنے مقصد میں داخل ہو جا اس آواز سے میرا جسم کانپا اور مجھ پر سخت قسم کی
کیفیت طاری ہوئی اور اس سلام کرنے والے نے کہا خدا تجھے سکون عطا کرے ڈرو
نہیں میں تیرے جن بھائیوں میں سے ہوں اور یمن کا رہنے والا ہوں ہمارے پاس
عراق والوں میں سے ایک شخص آیا تھا اس نے تیرے قصیدہ مدارس آیات پڑھا تھا
میں تمنا رکھتا ہوں کہ وہ قصیدہ خود تجھ سے سنوں دعبل کہتا ہے میں نے اس کے لئے
قصیدہ پڑھا تو وہ رو کر زمین پر گر پڑا اور کہنے لگا خدا تجھ پر رحمت نازل کرے آیا میں
تیرے لئے ایک حدیث بیان کروں جو تیری نیت کو پختہ کرے اور تجھے اپنے مذہب
سے متمسک رہنے میں تیری مدد کرے میں نے کہا ہاں بیان کرو پس وہ کہنے لگا میں
ایک مدت سے امام جعفر صادق علیہ السلام کا ذکر سنتا تھا میں آپؑ کی خدمت میں

حاضر ہوا تو میں نے آپؑ کو یوں فرماتے ہوئے سنا مجھ سے میرے باپ نے اس نے اپنے باپ سے اس نے اپنے جد بزرگوار سے حدیث بیان کی کہ رسول ﷺ نے فرمایا عَلِي وَ شِيعَتُهُ هُمُ الفَائِزُون ''علی اور اُس کے شیعہ کامیاب ہیں'' اس کے بعد وہ مجھ سے رخصت ہوا تو میں نے کہا خدا تجھ پر رحمت کر مجھے اپنا نام بتا جاوہ کہنے لگا میں طہیان بن عامر ہوں منتھی۔

اسیطرح امام رضا علیہ السلام کے ثقہ اور بزرگ علما میں سے محمد بن اسماعیل بن بزیع ہیں جو ابو جعفر منصور عباس کا غلام اور صلحا امامیہ کے صحیح و قابل اعتماد گروہ میں سے ہیں آپ بڑے جلیل القدر ثقات میں سے ہیں آپ امام موسیٰ کاظمؑ اور امام رضاؑ کے اصحاب میں سے ہیں اس نے امام تقی جواد علیہ السلام کو بھی دیکھا ہے اور ایک روایت میں آیا ہے کہ احمد بن حمزہ بن بزیع کے وزرا میں سے تھے جلیل القدر ثقہ علی بن نعمان نے جو امام رضا علیہ السلام کے اصحاب میں سے تھے۔ وصیت کی تھی کہ اس کی کتابیں محمد بن اسماعیل بن بزیع کو دی جائے پس اسیطرح شیخ کشی نے روایت کی ہے کہ امام رضا نے فرمایا ہے کہ بیشک ظالموں کے دروازوں پر اللہ تعالیٰ کے ایسے بندے ہیں کہ جن کے ذریعے وہ برہان کو روشن کرتا ہے اور انہیں شہروں میں تمکنت اور قدرت عطا کرتا ہے اور ان کے ذریعے سے اپنے اولیاء سے مصائب و بلیات کو دور کرتا ہے اور ان کے توسط سے امور مسلمین کی اصلاح کرتا ہے

کیونکہ وہ مومنین کے لئے ضد سے نجات کی جگہیں ہیں پس ہمارے شیعوں میں سے
حاجت مند لوگ خوف کے موقعے پر ان کے پاس جاتے ہیں اور انہی کی وجہ سے
خداوند عالم مومن کے دل سے خوف کو ظالمین کے گھر میں امن وسکون میں بدل دیتا
ہے راوی کہتا ہے کہ میں نے آپؑ سے عرض کیا کہ کس چیز سے یہ مرتبہ ملتا ہے پس
آپؑ نے فرمایا ہمیں اور ہمارے شیعوں میں سے مومنین کے دلوں میں خوشی اور
سرور داخل کرنے سے۔ اے محمد ایسے لوگوں میں سے یہ وہی محمد ہے جس نے حضرت
امام محمد تقی جواد علیہ السلام سے ایک لباس مانگا تھا تا کہ اپنا کفن بنائے اسیطرح
حضرت نے اس کے لئے پیراہن بھیجا اور حکم دیا تھا کہ اس کے بٹن کاٹ دیئے
جائیں اور محمد نے مقام فید میں جو مکہ کے راستے میں ایک مقام ہے وفات پائی پھر
شیخ جلیل وثقہ ابن قولویہ نے صحیح سند کے ساتھ محمد بن احمد بن یحییٰ اشعری سے
روایت نقل کی ہے اور وہ کہتا ہے کہ مقام فید میں علی بن بلال کے ساتھ میں بھی محمد بن
اسماعیل بن بزیع کی قبر پر جانے کے لئے روانہ ہوا تو علی بن بلال نے مجھ سے کہا
کہ اس قبر والے نے مجھے امام رضا علیہ السلام سے روایت کی ہے اور آپ نے فرمایا
جو شخص مومن بھائی کی قبر کے پاس جا کر قبر پر ہاتھ رکھ کر ساتھ مرتبہ انا انزلنا پڑھے تو
وہ فزع اکبر یعنی قیامت کے دن کے عظیم خوف سے مامون ہوگا۔

اسیطرح ایک اور روایت میں راوی کہتا ہے کہ میں محمد بن علی بن بلال

کے ساتھ ابن بزیع کی قبر پر گیا تو محمد بن علی قبر کے سرہانے قبلہ رخ ہو کر بیٹھ گیا اور قبر کو اپنے سامنے رکھ کر کہنے لگا مجھے اس قبر والے نے خبر دی ہے کہ اس نے حضرت محمد تقی جواد علیہ السلام سے سنا ہے جو شخص اپنے برادر مومن کی قبر کی زیارت کرے اور اس کی قبر کے پاس قبلہ رو ہو کر بیٹھے اور اپنا ہاتھ قبر پر رکھ کر سات مرتبہ سورہ انا انزلنا پڑھے تو وہ فزع اکبر کے خوف سے امن میں رہیگا مؤلف کہتا ہے کی فزع اکبر سے مامون ہونا ممکن ہے کہ پڑھنے والے کے لئے ہو نیز یہ بھی احتمال ہے کہ میت کے لئے ہو۔ تلادت قرآن مجید اور دعا کا ثواب دونوں کے لئے ہے بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے اور میں نے ایک مجموعے میں دیکھا ہے کہ شیخ شہید اپنے استاد فخر المحققین فرزند آیۃ اللہ علامہ کی قبر پر گئے اور فرمایا میں اس قبر والے سے نقل کرتا ہوں انہوں نے اپنے والد ماجد سے نقل کیا ہے اور ان کی سند ہے حضرت امام رضا علیہ السلام کی روایت ہے کہ جو اپنے برادر مومن کی قبر کی زیارت کرے اور قبر کے پاس سورہ قدر پڑھے اور یوں دعا کرے۔ اَللّٰھُمَّ جَافِ الْاَرْضَ عَنْ جُنُوْبِھِمْ وَ صَاعِدْ اِلَیْکَ اَرْوَاحَھُمْ وَزِدْھُمْ مِنْکَ رِضْوَانًا والی دعا پڑھے تو میت اور پڑھنے والا دونوں فزع اکبر کے خوف سے مامون ہونگے۔ پس اس سے محمد بن اسماعیل کی جلالت اور امام رضا علیہ السلام کے ساتھ خاص تعلق پر دلالت ہوتی ہے اور اسیطرح ایک واقعہ ذکر ہوا ہے اور علامہ بحر العلوم طباطبائی کے والد سید مرتضٰی سے

نقل ہوا ہے انہوں نے اپنے بیٹے علامہ کی ولادت کی رات دیکھا کہ حضرت رضا علیہ السلام نے محمد بن اسماعیل بن بزیع کو ایک شمع دیکر بھیجا اور اس نے وہ شمع بحر العلوم کے دادا کے گھر کی چھت پر روشن کردی اس شمع کی روشنی اتنی اونچی ہوئی کہ اس کی انتہا نہیں دیکھی جا سکتی تھی شیخ عباس قمیؒ کا کہنا ہے کہ فقیر کہتا ہے کہ اس میں شک نہیں کہ وہ شمع علامہ بحر العلوم تھے جنہوں نے دنیا کو اپنے نور علم سے روشن کیا اور ان کی جلالت شان کے لئے یہ واقعہ کافی ہے کہ شیخ اکبر الحاج شیخ کاشف الغطا علیہ الرحمۃ اپنی فقاحت وریاست اور جلالت کے سید کے جوتے کی مٹی اپنے عمامہ کے تحت الحنک سے صاف کرتے تھے اور یہ بات بھی تواتر کیساتھ پہنچی ہے کہ آپ ملاقات امام عصر والزمان عجل اللہ فرجہ الشریف سے مشرف ہوئے تھے اور اسیطرح ان کی کرامات کے بارے میں شیخ معظم صاحب جواہر البیان نے ان کے حق کے بارے میں لکھا ہے صاحب الکرامات الباہرہ والمعجزات القاہرہ۔ آپ کی ولادت باسعادت ۱۱۵۵ھ ہجری میں کربلائے معلیٰ میں ہوئی اور تقریبا اٹھاون سال تک آپ کا نور علم جلوہ کر رہا اور ۱۲۱۲ھ ہجری میں علم وعرفان کا یہ روشن ستارہ غریب عزیٰ میں غروب ہوا اور آپ کی تاریخ وفات اس مصرعے کے مطابق مہدیہا حداً و ما دیها ۱۲۱۲ھ الخ ہے۔

امام محمد تقی علیہ السلام

اسیطرح سلسلہ سادات رضویہ تقویہ کا مرکز ومنبع حضرت امام محمد تقی جوادالا ئمہ علیہ السلام ہیں آپ کی ولادت باسعادت کے حوالے سے جمہور علماء میں اختلاف ہے لیکن خاص علماء ومشائخ کے نزدیک زیادہ مشہور یہ ہے کہ آپ انیس رمضان یا پندرہ رمضان ۱۹۵ ھ میں مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے اور ابن عیاش نے آپ کی ولادت دس رجب لکھا ہے اس حوالے سے دعائے ناحیہ مقدسہ کے یہ کلمات اَللّٰھُمَّ اِنی اَسئلکَ بِالمَولودَینِ فِی الرَّجَبِ مُحَمَّد اِبن عَلِي وَ ابنِهِ عَلِي بِن مُحَمَّدِ المُنتَجبُ اس قول کی تائید میں کافی ثبوت ہے آپ کا اسم مبارک محمد ہے اور تقی وجواد مشہور القاب ہیں آپ کی کنیت ابوجعفر ہے۔

علامہ شیخ صدوقؒ فرماتے ہیں آپ کو تقی اس لئے کہتے ہیں کہ آپ خدا سے ڈرتے تھے اور خدا نے مامون عباسی کے شر سے محفوظ رکھا کیونکہ مستی کی حالت میں مامون نے آپ کے مکان میں داخل ہوکر آپ پر تلوار کے کئے وار کیا جب اسے یہ گمان ہوا کہ اس نے حضرت کو قتل کر دیا ہے لیکن خداوند عالم نے آپ کو اس کے شر سے محفوظ رکھا علامہ شیخ عباس قمیؒ نے اس واقعہ کی تفصیل اپنی کتاب منتھی الاعمال میں آپ کے معجزات کے باب میں لکھا ہے اسیطرح آپ کی ولادت با

سعادت کے بارے میں کتاب عیون المعجزات میں معتبر سند کے ساتھ حکیم بن عمران سے روایت ہے وہ کہتا ہے میں نے امام رضا علیہ اسلام کی خدمت میں عرض کیا کہ دعا کریں کہ خداوند عالم آپ کو فرزند عنایت کریں اس پر حضرت نے فرمایا خداوند عالم نے مجھے بیٹا عطا کیا ہے جو موسیٰ بن عمران کی مشابہ ہے جو دریا کو شگافتہ کرتا تھا اور عیسیٰؑ ابن مریمؑ کی نظیر ہے جس کی والدہ کو پاک و پاکیزہ قرار دیا گیا ہے اور وہ طاہر پیدا ہوا تھا پھر آپ نے فرمایا میرا یہ بیٹا ظلم وستم سے شہید کردیا جائیگا اس پر آسمان والے گریہ کرینگے اور خداوند عالم اس کے دشمن وقاتلوں اور ظلم کرنے والے پر غضبناک ہوگا اور وہ اس کو شہید کرنے کے بعد اپنی زندگی سے لطف اندوز نہیں ہوگا اور بہت جلدی عذاب الٰہی سے دوچار ہوگا۔

علامہ محمد باقر مجلسیؒ اور دیگر علماء نے لکھا ہے کہ حضرت امام رضا علیہ السلام کی شہادت کے وقت حضرت محمد تقیؑ کا سن مبارک 9 سال اور بعض نے 7 سال لکھا ہے اور شہادت امام رضاؑ کے وقت آپ مدینہ منورہ میں تھے بعض آپ کی چھوٹی عمر کی وجہ سے شش وپنج میں تھے جب حج کا موسم آیا تو علماء وافاضل اشراف شیعہ اطراف عالم سے حج بیت اللہ کی خاطر آئے اور اعمال حج سے فارغ ہوکر حضرت محمد تقیؑ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور آپ کی کرامات اور معجزات اور علمی کمالات سے آگاہ ہوئے اور اس منبع سادات کی امامت مطلقہ کا اقرار کیا اور اپنے دل کے آئینوں

سے شک وشبہ کا زنگ دور کیا شیخ کلینیؒ اور دوسرے علماء نے روایت کی ہے کہ ایک دن یا چند دن لگاتار مسائل کے انبار سے تین ہزار مسئلے اس معدن علوم وفضائل سے پوچھے گئے اور سب مسائل کے وافی وشافی جوابات سنے چونکہ امام رضا علیہ السلام کی شہادت سے مامون عباسی کا نام زبان زد خلایق ہو گیا تھا اور اس کو لوگوں نے طعن و تشنیع کا نشانہ بنا لیا تھا اس لئے وہ بظاہر اس جرم سے بری ہونا چاہتا تھا جب وہ خراسان سے بغداد پہنچا تو اس نے امام محمد تقی علیہ السلام کے نام خط لکھا اور احترام و اکرام کے ساتھ بلایا تھا اس لئے آپ بغداد تشریف لائے اس دوران جب آپ کی ملاقات سے قبل مامون شکار کے لئے اپنی سواری پر سوار ہو کر نکلا تو راستے میں کچھ بچے کھڑے تھے اور حضرت امام محمد تقی علیہ السلام بھی وہاں موجود تھے جب بچوں نے مامون عباسی کی شاہی سواری کو آتے دیکھا تو سب بچے منتشر ہوئے لیکن حضرت محمد تقیؑ نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی اور پروقار انداز میں اپنی جگہ پر کھڑے رہے اس دوران مامون کی سواری آپ کے نزدیک آئی آپ کی تمکنت وجلالت اور آثار متانت وہیبت سے اسے تعجب ہوا اور گھوڑے کی لگام روک کر اس نے پوچھا صاحبزادے دوسرے بچوں کی طرح آپ کیوں راستے سے نہیں ہٹے اور اپنی جگہ پر قائم رہے اس پر حضرت نے فرمایا اے خلیفہ راستہ تنگ نہیں تھا تا کہ میں تیرے لئے راستہ کھولتا اور نہ میں نے کوئی غلطی کی ہے کہ میں تجھ سے بھاگتا اور مجھے یہ گمان نہیں

کہ کسی جرم وخطا کے بغیر تو کسی پر عتاب کرتے پس یہ باتیں سنکر مامون کا تعجب اور
بڑا اور آپ کے حسن و جمال کو دیکھ کر آپ کا گرویدہ ہوا اور اس نے پوچھا
صاحبزادے آپ کا نام کیا ہے آپؑ نے فرمایا میرا نام محمد ہے اور مامون نے پوچھا
کس کے بیٹے ہو فرمایا علیؑ ابن موسیٰ رضاؑ کا بیٹا ہوں جب مامون نے آپکا حسب و
نسب سنا تو اس کا تعجب ختم ہوا نیز امام مسموم ومظلوم کا نام سنکر جنہیں شہید کر چکا تھا
آگاہ ہوا اور صلوات ورحمت کی دعا کے بعد آگے روانہ ہوا جب وہ صحرا میں پہنچا تو
اس کی نظر ایک تیتر پر پڑھی تو اس کے پیچھے اپنا شکاری باز چھوڑا اور کچھ دیر تک باز
غائب رہا جب وہ فضا سے واپس آیا تو اس کی چونچ میں ایک چوٹی مچھلی تھی جو زندہ
تھی اور مامون یہ دیکھ کر حیران ہوا اور مچھلی کو اپنی مٹھی میں لیکر واپس ہوا جب اس جگہ
پر پہنچا جہاں سے جاتے ہوئے مامون کی محمد تقیؑ جواد سے ملاقات ہوئی تھی مامون
کی سواری دیکھ کر پھر وہی ہوا باقی بچے منتشر ہوئے اور حضرتؑ اپنی جگہ پر قائم رہے
مامون عباسی کہنے لگا اے محمد میرے ہاتھ میں یہ کیا ہے پس حضرتؑ نے اپنے خالق
کے الہام سے فرمایا خداوند عالم نے کئے سمندر پیدا کئے ہیں جن سے بادل اٹھتے
ہیں اور چھوٹی مچھلیاں ان بادلوں کے ساتھ اوپر جاتی ہیں اور بادشاہوں کے
باز ان کا شکار کرتے ہیں اور بادشاہ انہیں مٹھی میں بند کر کے سلسلہ نبوت کا امتحان
لیتے ہیں اور مامون کو اس معجزہ کے دیکھنے کے بعد زیادہ تعجب ہوا اور کہنے لگا یہ حق ہے

کہ آپ امام علی رضاؑ کے بیٹے ہو اور اس بزرگوار کے بیٹے سے یہ عجائبات واسرار بعید نہیں ہیں۔ پس آپکو بلایا آپ کی بہت عزت واحترام کیا اور ارادہ کیا کہ اپنی بیٹی ام الفضل کی حضرتؑ سے شادی کر دے بنی عباس یہ بات سنکر چیخ اُٹھے اور سب ملکر مامون کے پاس آئے اور کہنے لگے یہ لباس خلافت جو بنی عباس کے لئے فٹ ہے اور یہ کرامت و بزرگی جس نے اس خاندان میں قرار دیا ہے اور باوجود اس قدیم عداوت کے جو اس سلسلے میں ہمارے درمیان چلی آرہی ہے کیوں ان سے نکال کر اولاد علی میں قرار دیتے ہو اور جو کچھ آپ نے علی رضاؑ کے ساتھ کیا ہماری نظریں ہمیشہ اس پر لگی تھیں یہاں تک یہ مہم سر ہوئی مامون کہنے لگا اس عداوت کی بنیاد تمہارے آباد اجداد تھے اگر وہ ان کی خلافت غصب نہ کرتے تو ہمارے اور ان کے درمیان کوئی عداوت دشمنی نہ ہوتی اور وہ ہمارے نسبت خلافت وامامت کے زیادہ مستحق ہیں وہ لوگ کہنے لگے یہ چھوٹا سا بچہ ہے جس نے ابھی تک علم وکمال کسب نہیں کیا ہے پس صبر کرو تا کہ وہ کامل ہو جائے تب اس کے بعد اُس کی شادی کر دیں تو زیادہ بہتر ہوگا مامون کہنے لگا تم لوگ انہیں نہیں پہچانتے ان کا علم خدا کی طرف سے ہے اور کسب علم کے محتاج نہیں ہیں اور ان کے چھوٹے بڑے دوسروں سے افضل ہیں اگر چاہتے ہو کہ یہ بات تمہیں معلوم ہو تو اس وقت کے علماء کو جمع کر لو تا کہ وہ ان سے مباحثہ کریں اس پر ان لوگوں نے یحیٰی بن اکثم کا نام لیا جو بغداد کا قاضی اور علماء

میں اعلم تھا اس فیصلہ کے بعد مامون عباسی نے ایک بڑا جلسہ منعقد کرایا اور یحییٰ بن اکثم کے علاوہ دیگر علماء و اشراف کو جمع کیا اور مامون نے حکم دیا کہ جلسہ کے صدر مقام پر حضرت کے لئے فرش بچھا کر گاؤ تکیئے لگائے جائے۔ علامہ شیخ مفیدؒ فرماتے ہیں کہ محمد تقی علیہ السلام تشریف لائے اس وقت آپ کی عمر شریف ۹ سال بقول سات سال کچھ مہینے تھی آپ اپنی جگہ پر دو تکیوں کے درمیان بیٹھ گئے اور یحییٰ بن اکثم آپؑ کے سامنے آکر بیٹھ گئے اور اسیطرح باقی لوگوں میں سے ہر ایک اپنے مرتبہ و مقام کے مطابق بیٹھا مامون کے لئے حضرت کے پہلو میں جگہ رکھی گئی پس یحییٰ بن اکثم نے حضرتؑ کا امتحان لینے کے لئے مسئلہ پوچھنے کی خاطر مامون عباسی کی طرح رخ کیا اور کہنے لگا اے امیر المومنین آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں ابو جعفر سے ایک مسئلہ پوچھوں اس پر مامون نے کہا خود آنجناب سے اجازت لے لو اس پر یحییٰ بن اکثم نے اجازت چاہا حضرت نے فرمایا تمہیں اجازت ہے جو چاہو پوچھو اور یحییٰ نے کہا آپ پر قربان جاؤں کیا فرماتے ہیں اس شخص کے بارے میں جو محرم تھا یعنی احرام میں تھا اس نے شکار کیا۔ حضرت نے پوچھا حل میں شکار کیا ہے یا حرم میں عالم تھا یا جاہل عمداً شکار کیا ہے یا سہواً آزاد تھا یا غلام بچہ تھا یا بڑا پہلا شکار تھا یا پہلے بھی شکار کر چکا تھا۔ شکار پرندوں میں سے تھا یا ان کے علاوہ تھا کیا چھوٹے جانور کا شکار کیا ہے یا بڑے کا یہ شخص اصرار کرتا ہے یا پشیمان ہوا ہے رات کو شکار کیا

ہے یادن کو عمرہ کے احرام میں تھا یا حج کا اسیطرح فروعات کی تفصیل سنکر یحییٰ اکثم متحیر ہو گیا اس کے ہوش اڑ گیے عاجزی اس کے چہرے سے ظاہر ہوئی زبان لڑکھڑا گئی اور حقیقت حال حاضرین پر واضح ہوگئی مامون نے خدا کا شکر ادا کیا اور لوگوں سے کہا تمہیں حقیقت معلوم ہوئی پس اس نے حضرت امام محمد تقیؑ کی جانب رخ کر کے کہا کیا آپ خواستگاری اور خطبہ پڑھنگے آپ نے فرمایا ہاں اس پر مامون نے کہا پھر میری بیٹی ام الفضل کا اپنے ساتھ نکاح کا خطبہ ارشاد فرمائیں کیونکہ میں نے آپ کو اپنی دامادی کے لئے پسند کیا ہے اگر چہ کچھ لوگ اس شادی کو پسند نہیں کرتے ان کی ناک زمین پر لگا دینگے اس کے بعد حضرت نے خطبہ نکاح پڑھنا شروع کیا اور حضرت نے مامون عباسی سے ملکر صیغہ نکاح پڑھا اور پانچ درہم ام الفضل کا حق مہر قرار دیا جو آپ کی جدہ ماجدہ حضرت فاطمہ سلام اللہ علیھا کا حق مہر کے برابر تھا اسیطرح نکاح کی رسومات نہایت شان وشوکت سے ادا ہوئے انعامات وصدقات تقسیم ہوئے پھر کھانے کا دستر خوان بچھ گیا کھانے کے بعد باقی لوگ چلے گیے مگر خواص بیٹھے رہے مامون نے امام محمد تقی علیہ السلام سے درخواست کی کہ ان مسائل محرم کے جوابات سے مستفید فرمائیں آپ نے ہر شق کا جواب دیا تو مامون نے اونچی آواز میں احسنت بہت اچھا کہا اور آخر میں امامؑ سے کہا آپ بھی یحییٰ اکثم سے کوئی مسئلہ پوچھیں آپ نے عورت کے حرام وحلال کے بارے میں سوال پوچھا اور

خود ہی جواب دیا بخوف طوالت واقعات کی تفصیل صرف نظر کیا ہے اور اس وقت مامون نے بنی عباس میں سے حاضرین کی طرف رخ کیا اور کہنے لگا آیا تم میں سے کوئی شخص ایسا ہے جو اس مسئلے کا اسیطرح جواب دے سکے یا پہلے والے مسئلے کو اس تفصیل سے جان لے لوگوں نے کہا خدا کی قسم آپ ابو جعفرؑ کے حالات ہم سے زیادہ جانتے ہیں اور ان کے عمر کا کم ہونا ان کے کمالات کے لئے مانع نہیں ہے پھر حضرت ابو جعفرؑ کے کچھ فضائل بیان کئے اور مجلس برخاست ہوئی لوگ چلے گئے اسیطرح دوسرے دن بھی مامون نے بہت سے عطیات اور تحائف لوگوں میں تقسیم کئے اور اس طرح حضرت محمد تقی جواد علیہ السلام کا بہت اکرام واحترام کیا اسیطرح جب تک وہ زندہ رہا اپنی اولاد اور اقرباء پر فضیلت دیتا رہا۔ قطب راوندی نے محمد بن میمون سے رایت کی ہے کہ جس وقت امام جوادؑ بچے تھے اور امام رضا علیہ السلام ابھی تک خراسان نہیں گئے تھے آپ نے مکہ مکرمہ کا سفر کیا اور میں بھی آپ کی خدمت میں تھا جب میں نے واپسی کا ارادہ کیا تو حضرت کی خدمت میں عرض کیا میں مدینہ منورہ جانا چاہتا ہوں اس لئے آپ ابو جعفر محمد تقیؑ کے لئے خط لکھ دیں تا کہ میں اسے لے جاؤں حضرت نے تبسم فرمایا اور خط لکھ دیا میں وہ خط مدینہ لیکر آیا اس وقت میں نابینا ہو چکا تھا اور امام محمد تقی اس وقت گہوارے میں تھے موفق غلام آپ کو لیکر آیا میں نے وہ خط دیا تو حضرت نے موفق سے فرمایا خط کی مہر توڑ کر کاغذ کو کھول

دو پس موفق نے خط کی مہر توڑ کر دی اور کھول کر حضرت کے سامنے کیا تو حضرت نے
اس کو پڑھا اور کہنے لگے اے محمد تمہاری آنکھوں کا کیا حال ہے میں نے عرض کیا
فرزند رسولؑ میری آنکھیں دکھتی ہیں اور ان کی بینائی جاتی رہی ہے جیسا کی آپ دیکھ
رہے ہیں پس حضرت جوادؑ علیہ السلام نے اپنا دست مبارک کو میری آنکھوں پر پھیرا
اور حضرت کے ہاتھ کی برکت سے میری آنکھیں شفایاب ہوگئیں اور میں نے آپ
کے ہاتھ اور پاؤں کو بوسے لئے اور دیکھتی آنکھوں کے ساتھ آپ کی خدمت اقدس
سے باہر نکلا۔ علامہ شیخ مفیدؒ و شہر ابن آشوب اور دوسرے علماء اعلام نے روایت کی
ہے کہ جس وقت حضرت جواد علیہ السلام اپنی بیوی ام الفضل کو ہمراہ لیکر بغداد سے
مدینہ کی طرف واپس جا رہے تھے جب آپ شارع کوفہ پر واقع دار مسیب پہنچے تو
اسی مقام پر اتر گئے اور اس وقت سورج غروب ہو رہا تھا آپ مسجد میں تشریف لے
گئے وہاں ایک بیری کا درخت تھا جس پر بیر نہیں لگتے تھے آپؑ نے پانی کا کوزہ
منگوایا اور اس درخت کے نیچے وضو فرمایا اور نماز مغرب کے لئے کھڑے ہوئے اور
آپ نے جماعت کرائی پہلی رکعت میں سورہ حمد کے بعد سورہ عصر پڑا اور دوسری
رکعت میں سورہ حمد کے بعد سورہ توحید پڑھی اور رکوع سے پہلے دعائے قنوت پڑھی
اسیطرح تیسری رکعت کے بعد سلام پھیرا اور ایک لحظ بیٹھکر ذکر خدا بجا لایا اور
کھڑے ہوکر چار رکعت نافلہ مغرب ادا کیا پھر تعقیبات نماز ادا فرمایا اور دو سجدہ شکر بجا

لائے اور مسجد سے باہر تشریف لائے جب لوگ اس بیری کے درخت کے قریب گئے تو دیکھا وہ پھلدار ہو چکا ہے اور عمدہ قسم کا بیر لگا ہے اور انہیں تعجب ہوا لوگوں نے اس درخت سے بیر کھائے تو وہ بڑے مزیدار تھے اور ان میں گٹھلیاں نہ تھیں پس لوگوں نے حضرت کو خدا حافظ کہا اور آپ مدینہ منورہ کی جانب روانہ ہوئے اسیطرح معتصم کے زمانے تک آپ مدینہ میں مقیم رہے پھر معتصم نے ۲۲۵ ہجری میں آپ کو بغداد بلایا اور آپ اس سال ماہ ذیقعدہ تک وہاں مقیم رہے اور آپ کی شہادت واقع ہوئی اور اپنے جد بزرگوار امام موسیٰ بن جعفر علیہ السلام کی قبر کے پشت کی جانب دفن ہوئے اور جناب شیخ مفیدؒ سے منقول ہے کہ میں نے اس بیری کے درخت کے بیر کھائیں ہیں ان میں گٹھلیاں نہ تھیں۔

علامہ ابن شہر آشوب اور دوسرے علماء نے محمد بن ریان سے روایت کی ہے اور وہ کہتا ہے کہ مامون عباسی نے امام محمد تقی علیہ السلام کو اپنی طرح دنیا دار بنانے اور لہولعب نیز فسق و فجور کی جانب راغب کرنے کی خاطر ہر حربہ آزمایا لیکن اس کا ہر شیطانی حربہ اور حیلہ و تدبیر آپؑ پر اثر انداز نہیں ہوئی یہاں تک کہ جس وقت اس نے اپنی بیٹی ام الفضل کو حضرت کے گھر رخصت کیا اور شب زفاف کی رات اس نے سو کنیزوں کو حکم دیا جو سب سے زیادہ خوبصورت تھیں ان میں سے ہر ایک اپنے ہاتھ میں جواہرات سے بھرے تھال لئے حضرت کا استقبال کرے اسیطرح

جب آپؑ حجلہ عروسی میں بیٹھنے کے لئے داخل ہوئے تو ان کنیزوں نے حسب حکم اس دستور پر عمل کیا لیکن امام محمد تقی جواد علیہ السلام نے ان کی جانب توجہ نہیں فرمایا اور مامون نے مخارق نامی مشہور گویئے کو بلایا جو خوش آواز تھا اور رباب بجاتا تھا اس کی داڑھی لمبی تھی مخارق گویئے نے مامون عباسی سے کہا اے امیر المومنین اگر ابوجعفر کو دنیا کی طرف مائل کرنا ہے تو یہ کام میرے ذمے ہوا اور میں اس کے لئے کافی ہوں پس وہ حضرت کے پاس جا کر بیٹھ گیا اور اپنی آواز کی جادو جگایا جس سے گھر کے تمام لوگ اس کے پاس جمع ہو گئے اس نے رباب بجانا اور گانا گانا شروع کیا اور ایک گھنٹہ بھر وہ یہی کچھ کرتا رہا مگر اس نے دیکھا کہ حضرت جواد علیہ السلام نے اس کی طرف بالکل توجہ نہ دی اور نہ اپنے دائیں بائیں دیکھا آخر میں آپؑ نے سر اٹھایا اور فرمایا خدا سے ڈرو اے بڑی داڑھی والے شخص جب آپ نے یہ جملہ ارشاد فرمایا رباب اور مضراب اس کے ہاتھ سے گر پڑا پھر مرتے دم تک اس کا یہ ہاتھ بیکار ہوا مامون عباسی نے گویئے سے پوچھا تجھے کیا ہوا تھا وہ کہنے لگا جب ابوجعفر نے مجھے پکارا تو میں ایسا گھبرایا کہ کبھی میں صحت یاب نہیں ہونگا۔

قطب راوندی نے روایت کی ہے کہ معتصم عباسی نے اپنے وزراء کی ایک جماعت کو بلا کر کہنے لگا تم محمد تقی جواد علیہ السلام کے بارے میں جھوٹی گواہی دو اور اسے تحریری شکل میں لکھو کہ وہ خروج کا ارادہ رکھتا ہے اس کے بعد معتصم نے حضرت

کو بلا کر کہنے لگا تم نے میرے خلاف خروج کا ارادہ کیا ہے مگر آپ نے فرمایا خدا کی قسم میں نے اس حوالے سے کوئی کام نہیں کیا ہے اور اس جواب پر معتصم نے کہا فلاں فلاں اشخاص تمہارے اس کام پر گواہی دیتے ہیں اور حکم دیا ان لوگوں کو حاضر کیا جائے اور ان لوگوں نے حاضر ہو کر کہنے لگے کہ یہ آپ کے خطوط ہیں جو آپ نے اس سلسلے میں تحریر کیئے ہیں ہم نے یہ آپ کے کچھ غلاموں سے حاصل کیئے ہیں اسیطرح راوی بیان کرتا ہے کہ حضرت جواد علیہ السلام ایوان خلافت کے ایک کونے میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپ نے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کہا خدایا اگر یہ لوگ میرے خلاف جھوٹ بولتے ہیں تو ہی ان کا مواخدہ فرما پس راوی کہتا ہے میں نے ایوان کے اس جانب دیکھا تو ایک سخت حرکت اور اضطراب پیدا ہوا ہے اور جو شخص بھی اپنی جگہ سے کھڑا ہوتا ہے اور وہ گرتا تھا اس وقت معتصم عباسی نے کہا اے فرزند رسولؑ میں توبہ کرتا ہوں اس بات سے جو میں نے کہی ہے آپ دعا کریں کہ خداوند عالم اس حرکت و اضطراب کو ختم کر دیں اس پر آپ نے دعا کی خداوندا اس حرکت و اضطراب کو ختم کر دے حال آنکہ تو جانتا ہے کہ یہ لوگ تیرے اور میرے دشمن ہیں اور اس دعا کے بعد ایوان میں سکون آیا۔

شیخ کلینیؒ اور دیگر علماء نے محمد بن علاء سے روایت کہ ہے اور وہ کہتا ہے کہ میں نے یحییٰ اکثم سے سنا جو سامرہ کا قاضی تھا وہ کہتا ہے میں نے مناظرہ کر لیا اور

آپ کو آزما لیا پھر مجادلہ و مراسلہ کر چکا اور علوم آل محمدؐ کے بارے میں سوالات کر چکا تو ایک دن میں مسجد نبویؐ میں گیا اور قبر مبارک کا طواف کیا اس دوران میں نے محمدؑ بن علی رضاؑ کو بھی طواف قبر رسول کرتے ہوئے دیکھا پھر میں نے آپؑ سے ان مسائل کے بارے میں مناظرہ کیا جن کو میں اچھی طرح جانتا تھا آپ نے ان مسائل کا جواب دیا اس وقت میں نے کہا میں چاہتا ہوں کہ ایک مسئلہ آپؑ سے پوچھوں لیکن مجھے اس کے بارے میں سوال سے شرم آتی ہے اس پر حضرت جوادؑ نے فرمایا تیرے سوال سے پہلے میں تجھے اس کی خبر دیتا ہوں اور وہ یہ کہ تم امام کے متعلق سوال کرنا چاہتے ہو وہ کہنے لگا خدا کی قسم یہی میرا سوال تھا پس آپ نے فرمایا میں ہوں امام میں نے کہا میں اس کا ثبوت یعنی علامت چاہتا ہوں اور اس وقت حضرت کے ہاتھ میں ایک عصا تھا اس سے آواز آئی کہ بیشک میرے مولا زمانے کے امام اور حجت خدا ہیں پھر حضرت کے بعض معجزات کے بارے میں عمارہ بن زید نے روایت نقل کی ہے اور وہ کہتا ہے میں نے امام محمد تقیؑ کو دیکھا تو میں نے عرض کی اے فرزند رسول امام کی علامت کیا ہے آپ نے فرمایا امام وہ ہے جو ایہ کام کر سکے اس کے بعد آپ نے اپنا دست مبارک ایک پتھر پر رکھا اور آپ کی انگلیوں کے نشان اس پتھر پر ابھر آئے راوی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا آگ پر پگھلائے بغیر آپ لوہے کو کھینچتے تھے اور پتھر پر اپنی انگوٹھی سے مہر لگاتے تھے اسی طرح امام محمد تقی جواد علیہ السلام کے

کو بلا کر کہنے لگا تم نے میرے خلاف خروج کا ارادہ کیا ہے مگر آپ نے فرمایا خدا کی قسم میں نے اس حوالے سے کوئی کام نہیں کیا ہے اور اس جواب پر معتصم نے کہا فلاں فلاں اشخاص تمہارے اس کام پر گواہی دیتے ہیں اور حکم دیا ان لوگوں کو حاضر کیا جائے اور ان لوگوں نے حاضر ہو کر کہنے لگے کہ یہ آپ کے خطوط ہیں جو آپ نے اس سلسلے میں تحرر کیئے ہیں ہم نے یہ آپ کے کچھ غلاموں سے حاصل کیئے ہیں اسیطر ح راوی بیان کرتا ہے کہ حضرت جواد علیہ السلام ایوان خلافت کے ایک کونے میں بیٹھے ہوئے تھے اور آپ نے آسمان کی طرف منہ اٹھا کر کہا خدایا اگر یہ لوگ میرے خلاف جھوٹ بولتے ہیں تو ہی ان کا مواخدہ فرما پس راوی کہتا ہے میں نے ایوان کے اس جانب دیکھا تو ایک سخت حرکت اور اضطراب پیدا ہوا ہے اور جو شخص بھی اپنی جگہ سے کھڑا ہوتا ہے اور وہ گرتا تھا اس وقت معتصم عباسی نے کہا اے فرزند رسولؐ میں توبہ کرتا ہوں اس بات سے جو میں نے کہی ہے آپ دعا کریں کہ خداوند عالم اس حرکت واضطراب کو ختم کردیں اس پر آپ نے دعا کی خداوندا اس حرکت و اضطراب کو ختم کردے حال آنکہ تو جانتا ہے کہ یہ لوگ تیرے اور میرے دشمن ہیں اور اس دعا کے بعد ایوان میں سکون آیا۔

شیخ کلینیؒ اور دیگر علماءؒ نے محمد بن علاء سے روایت کہ ہے اور وہ کہتا ہے کہ میں نے یحییٰ اکثم سے سنا جو سامرہ کا قاضی تھا وہ کہتا ہے میں نے مناظرہ کرلیا اور

آپ کو آزما لیا پھر مجادلہ و مراسلہ کر چکا اور علوم آل محمدؐ کے بارے میں سوالات کر چکا تو ایک دن میں مسجد نبویؐ میں گیا اور قبر مبارک کا طواف کیا اس دوران میں نے محمدؑ بن علی رضاؑ کو بھی طواف قبر رسول کرتے ہوئے دیکھا پھر میں نے آپؑ سے ان مسائل کے بارے میں مناظرہ کیا جن کو میں اچھی طرح جانتا تھا آپ نے ان مسائل کا جواب دیا اس وقت میں نے کہا میں چاہتا ہوں کہ ایک مسئلہ آپؑ سے پوچھوں لیکن مجھے اس کے بارے میں سوال سے شرم آتی ہے اس پر حضرت جوادؑ نے فرمایا تیرے سوال سے پہلے میں تجھے اس کی خبر دیتا ہوں اور وہ یہ کہ تم امام کے متعلق سوال کرنا چاہتے ہو وہ کہنے لگا خدا کی قسم یہی میرا سوال تھا پس آپ نے فرمایا میں ہوں امام میں نے کہا میں اس کا ثبوت یعنی علامت چاہتا ہوں اور اس وقت حضرت کے ہاتھ میں ایک عصا تھا اس سے آواز آئی کہ بیشک میرے مولا زمانے کے امام اور حجت خدا ہیں پھر حضرت کے بعض معجزات کے بارے میں عمارہ بن زید نے روایت نقل کی ہے اور وہ کہتا ہے میں نے امام محمد تقیؑ کو دیکھا تو میں نے عرض کی اے فرزند رسول امام کی علامت کیا ہے آپ نے فرمایا امام وہ ہے جو ایہ کام کر سکے اس کے بعد آپ نے اپنا دست مبارک ایک پتھر پر رکھا اور آپ کی انگلیوں کے نشان اس پتھر پر ابھر آئے راوی کہتا ہے کہ میں نے دیکھا آگ پر پگھلائے بغیر آپ لوہے کو کھینچتے تھے اور پتھر پر اپنی انگوٹھی سے مہر لگاتے تھے اسی طرح امام محمد تقی جواد علیہ السلام کے

کچھ پرحکمت اور نصیحت آموز باتیں بطور تبرک تحریر کرتا ہوں۔

امام فرماتے ہیں اللہ پر بھروسہ ہر مہنگی چیز کی قیمت اور ہر بلندی کی جانب سیڑھی ہے اور مومن کی عزت لوگوں سے بے نیاز ہونے میں ہے اور پھر لوگوں کے سامنے خدا کا ولی اور تنہائی میں دشمن خدا نہ بن جا پھر فرمایا ہے جس شخص کا خدا کفیل ہو وہ کس طرح تلف اور ضائع ہوتا ہے اور وہ شخص کسی طرح نجات پا سکتا ہے جو اپنا تعلق خدا سے توڑ دے بے علم شخص فاسد عمل زیادہ کرتا ہے اور فرمایا ہے برے انسان کی صحبت اور تعلق سے بچو کیونکہ اس کی مثال بے نیام تلوار کی سی ہے جسکا ظاہر اچھا ہے لیکن اس کے آثار برے ہیں پھر فرمایا ہے کہ انسان کی ضیافت کے لئے یہ کافی ہے کہ وہ ضیافت کرنے والے کا امین ہو۔ اسطرح دل کے ساتھ خدا کی طرف جانے کا مکمل ارادہ کرنا اعضا بدن کو یوں ہی تھکا دینے سے زیادہ منزل مقصود تک پہنچانے والا ہے۔ ارشاد ہے جس شخص نے اپنی خواہش نفس کی پیروی کی اس نے اپنے دشمن کی آرزو پوری کردی۔ آپؑ نے فرمایا ہے سب سے بڑا عیب یہ ہے کہ تو لوگوں کی ان عیوب میں عیب جوئی کرے جو خود اس میں موجود ہیں اور احمق وہ شخص ہے کہ خود ہزار عیبوں سے آلودہ ہے مگر اپنے عیوب سے آنکھیں بند کر کے لوگوں کے عیوب کے بارے میں اپنی زبان کھولتا ہے اور آپؑ نے فرمایا ہے بوڑھے انسان کی رائے اور فکر میرے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہے نوجوان کی طاقت مردانگی

سے اور اس میں نکتہ یہ ہے کہ صاحب تدبیر بوڑھے کی رائے تجربہ اور عقل سے صادر ہوتی ہے اور ایسا شخص فتنہ و فساد کی اصلاح ہی نہیں بلکہ بہت سے فتنوں کی آگ بجانے کا سبب بنتا ہے اور بخلاف اس نوجوان کی مردانگی کے جو زیادہ تر نفس کے جذبات و تہور کی ہلاکتوں میں ڈالنے اور نا آزمودہ کاموں پر مبنی ہوتی ہے۔ جو کہ غالباً جنگ و جدل کی آگ کے بھڑکنے اور ایک گروہ کی ہلاکت کا سبب بنتی ہے آپؑ نے فرمایا ہے کہ حاجت کا فوت ہو جانا زیادہ آسان ہے اس عمل سے کہ انسان ایسے شخص سے حاجت طلب کرے جو اس کا اہل نہیں ہے اور آپ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ قناعت یعنی جتنا مل جائے اس پر اکتفاء کرنا ہے اور قناعت وہ مال ہے جو فنا نہیں ہوتا ہے اور ایسا خزانہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا ہے اور آپؑ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے اخراجات میں میانہ روی اختیار کرے وہ فقیر و محتاج نہیں ہوتا ہے اور آپؑ نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنے سفر کی دوری کو یاد رکھے تو وہ اپنے اس دوری سفر کے لئے تیاری کرے اور سامان سفر مہیا کرتا ہے پس وہ اشخاص جو آخرت کے زادراہ اور سامان کی تیاری میں مصروف نہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اس منزل سے غافل ہے لہٰذا اپنے سفر کے لئے تیار رہو اور غفلت میں وقت مت گزارو۔ اور تاریخ کے یہ تلخ حقایق ہیں جب عبدالملک بن مروان نے مصیب بن زبیر کو قتل کیا اور عراق کو تسخیر کر لیا پس کوفہ کے دارالامارہ میں داخل ہو کر تخت حکومت پر تکیہ لگا دیا اور معیب بن زبیر کا سر اپنے

سامنے رکھا اور وہ انتہائی خوش تھا اچانک حاضرین میں سے ایک شخص جسکا نام عبدالملک بن عمر تھا اس کا جسم کانپ گیا اور اس نے کہا امیر سلامت رہے کہ اس دارالامارہ کے متعلق میرے دل میں ایک عجیب واقعہ سامنے آرہا ہے اور وہ واقعہ یوں ہے کہ میں عبداللہ بن زیاد کے ساتھ اس مجلس میں بیٹھا تھا امام حسین علیہ السلام کا سر مبارک اس کے پاس لایا گیا اور اس کے سامنے رکھا گیا اور سیطرح کچھ مددت کے بعد مختار ثقفی نے کوفہ کو تسخیر کیا تو میں اس مجلس میں اس کے پاس بیٹھا تھا میں نے عبیداللہ ابن زیاد کا سر اس کے سامنے رکھا ہو دیکھا تھا اور پھر مختار کے بعد اس سر والے مصعب کے ساتھ موجود تھا کہ مختار کا سر اس کے سامنے رکھا گیا اور اب میں امیر کے ساتھ اس مجلس میں بیٹھا ہوں کہ معیب کا سر میں آپ کے سامنے دیکھ رہا ہوں اور میں امیر کو اس مجلس کی شر اور برائی سے خدا کی پناہ میں دیتا ہوں پس عبدالملک بن مروان نے جب یہ وقعہ سنا تو وہ خود بھی لرزنے لگا اور حکم دعیا کہ کوفہ کے اس دارالامارہ کو مسمار کر دیا جائے اس لئے کہ دنیا میں عبرتیں اور نصیحتیں کتنی زیادہ ہیں لیکن ان میں سے بہت کم عبرت حاصل کیجاتی ہے۔

واضح رہے کہ مامون عباسی نے امام محمد تقی جواد علیہ السلام کو آپ کے والد بزرگوار کی شہادت کے بعد بغداد بلدیا اور اپنی بیٹی ام الفضل کی آپ سے شادی کر دی مگر امام جوادؑ مامون کی معاشرت سے دل تنگ تھے اس لئے اجازت لیکر حج بیت

اللہ الحرام کے لئے مکہ روانہ ہوئے اور وہاں سے اپنے جد بزرگوار کے مدینہ کی طرف لوٹ آئے اور آپ مدینہ میں مقیم رہے جب مامون کا وفات ہوا تو اس کا بھائی معتصم نے سترہ رجب ۲۱۸ ہجری میں تخت خلافت پر قبضہ کیا اسیطرح جب معتصم خلیفہ بنا تو اس نے اس معدن سعادت وخیر کے کمالات وفضائل دیکھے اور آپ کے روحانی وعلمی مقام کی وجہ سے حسد کی آگ اس کے سینے میں شعلہ ور ہوئی لہذا وہ حضرت کو راستے سے ہٹانے کے درپے ہوا اس لئے آنجناب کو بغداد طلب کیا جب آپ نے بغداد جانے کا ارادہ فرمایا تو حضرت امام علی نقی علیہ السلام کو اپنا جانشین اور خلیفہ مقرر کیا اور اکابر شیعہ اور اپنے ثقات اصحاب کی موجودگی میں حضرت کی امامت پر نص صریح بیان فرمایا اور کتب علوم الٰہیہ اور اسلحہ وآثار وباقیات رسالت پناہ اور باقی انبیاء علیہم السلام اپنے فرزند کے سپرد فرمایا اور دل کو شہادت کے لئے تیار رکھا اسیطرح اپنے فرزند گرامی سے رخصت ہوئے اور خونین دل کے ساتھ اپنے جد بزرگوار کی تربت سے جدا ہوئے اور بغداد کی طرف روانہ ہوئے اور اسی سال کے آخر میں آپ معتصم لعین کے زہر سے شہید ہوئے اگرچہ اس امام مظلوم کی شہادت کی کیفیت میں اختلاف ہے مگر زیادہ مشہور یہ ہے کہ آپ کی بیوی ام الفضل دختر مامون عباسی نے اپنے چچا معتصم کی تحریک سے آپ کو زہر دیا کیونکہ آپ کنیزوں اور دوسری بیویوں میں رغبت رکھتے تھے اور امام علی نقی علیہ السلام کی والدہ

ماجدہ کو اس پر ترجیح دیتے تھے اس لئے ام الفضل آپ سے منحرف تھی وہ ہمیشہ حضرت سے شاکی تھی اور اپنے باپ کے زمانے میں بارہا اپنے باپ سے شکایت کی تھی لیکن مامون عباسی اس کی شکایت پر کان نہیں دھرتا تھا اور امام رضا علیہ السلام کی شہادات کے بعد اہلبیت رسالت کو مزید اذیت دینا اپنی حکومت کے لئے مناسب نہیں سمجھتا تھا کتاب عیون المعجزات سے نقل ہوا ہے کہ جب حضرت محمد تقی جواد علیہ السلام بغداد میں داخل ہوئے اور معتصم کو ام الفضل کا آپؑ سے انحراف کا علم ہوا تو اسے بلایا اور آنجناب کے قتل پر راضی کرلیا اور اس کے پاس زہر بھیجا تاکہ وہ اسے حضرتؑ کے کھانے میں ملادے ام الفضل نے ازاقی انگور میں زہر ملا کر امام مظلوم کے پاس لے آئی جب حضرت نے وہ انگور کھائے اور زہر کا اثر آپ کے جسم میں ظاہر ہوا تو ام الفضل اپنے کیے پر پشیمان ہوئی اور گریہ وزاری کرنے لگی مگر اب کوئی چارہ نہ تھا اور حضرت نے فرمایا مجھے قتل کرنے کے بعد گریہ کرتی ہو خدا کی قسم تم ایسی بیماری میں مبتلا ہوگی کہ جس پر مرہم پٹی نہیں کی جاسکے گی اس کی شرمگاہ میں ناسور پیدا ہوگیا امام جوانی کے عالم میں اس زہر خورانی سے شہید ہوئے تو معتصم نے اس کو اپنے حرم میں بلایا مگر اپنی بیماری کی وجہ سے وہ معتصم کے گھر سے باہر آگئی اور مال اس کے پاس تھا علاج پر خرچ ہوا اور پریشان حال ہوئی اور لوگوں سے گدائی کرتی پھری اور آخرت بھی تباہ کر کے بدترین حالات میں ہلاک ہوئی اور علامہ مسعودی

نے اثبات الوصیہ میں بھی تقریباً اسطرح لکھا ہے مگر اس نے لکھا ہے کہ معتصم اور جعفر بن مامون دونوں نے ملکرام الفضل کو حضرت کے قتل پر آمادہ کیا اور جعفر بن مامون اس سازش کی سزا میں مستی کی حالت میں کنویں میں گرا اور اسے مردہ حالت میں کنویں سے نکالا گیا۔

شیخ عیاشی نے زرقان ابن ابی داؤد سے جو قاضی کا دوست اور ہمیشہ اس کے ساتھ رہنے والے تھے روایت کی ہے اور وہ کہتا ہے کہ ایک دن ابن ابی داؤد معتصم کے دربار سے غمناک حالت میں گھر واپس آیا تو میں نے اس کے غم واندوہ کے متعلق سوال کیا تو وہ کہنے لگا آج کا دن ابوجعفر محمد بن علی کی وجہ سے اتنا سخت گزار ہے کہ میں نے آرزو کی کاش میں آج سے بیس سال پہلے مرگیا ہوتا میں نے پوچھا کیا ہوا کہنے لگا ہم خلیفہ کے دربار میں حاضر تھے ایک چور کو لے آئے جس نے خود چوری کا اقرار کیا تھا اور خلیفہ نے چاہا کہ اس پر شرعی حد جاری کروں اس نے علماء اور فقہا کو اپنی مجلس میں جمع کیا اور محمدؑ بن علی رضاؑ کو بھی بلایا اور ہم سے پوچھا کہ ہاتھ کہاں سے کاٹنا چاہیے۔ میں نے کہا کلائی سے کاٹنا چاہیے مگر وہ کہنے لگے کیس دلیل سے میں نے کہا کہ آیہ تیمّم کی وجہ سے فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَ اَيْدِيكُمْ پس مسح کرو اپنے چہروں اور ہاتھوں کا کیونکہ خداوند عالم نے اس آیت میں ہاتھ کی ہتھیلی پر اطلاق کیا ہے اور مجلس میں سے ایک جماعت نے بھی میری موافقت کی اور بعض

دوسرے فقہاء نے کہا کہ کہنی سے ہاتھ کاٹنا چاہئے اور انہوں نے آیہ وضوء سے استدلال کیا اور کہنے لگے خداوند عالم فرماتا ہے۔ وَ اَیۡدِیَکُمۡ اِلَی الۡمَرَافِقِ لہٰذا ہاتھ کا اطلاق کہنی تک ہے۔ پس معتصم امام محمد تقیؑ کی طرف متوجہ ہوا اور کہنے لگا آپ کیا فرماتے ہیں آپؑ نے فرمایا کہ حاضرین نے کہا ہے اور تو نے سنا ہے مگر معتصم نے کہا مجھے ان کے کہے ہوئے سے سروکار نہیں وہ بتاؤ جو آپ جانتے ہیں حضرت نے فرمایا مجھے اس سوال سے معاف رکھو لیکن خلیفہ نے آپ کو قسم دی کہ آپ ضرور بتائیں اس پر حضرت نے فرمایا اب چونکہ تو نے قسم دی ہے تو میں کہتا ہوں کہ تمام حاضرین نے اس مسئلے میں خطا کی ہے بلکہ چور کی حد یہ ہے کہ اس کی چار انگلیاں کاٹی جائیں اور اس کی ہتھیلی رہنے دی جائے معتصم نے کہا کہ کس دلیل سے آپؑ نے فرمایا اس لئے کہ رسولؐ خدا نے سجود کے سلسلے میں فرمایا ہے کہ سات اعضاء زمین پر لگنی چاہئے کہ جن میں سے دو ہاتھ کہ ہتھیلیاں بھی ہیں اگر چور کا ہاتھ کلائی یا کہنی سے کاٹا گیا تو اس کی ہتھیلیاں باقی نہیں رہتی۔ تا کہ وہ عبادت خدا میں ان کے ساتھ سجدہ کرے کیونکہ مواضع سجود حقوق اللہ ہیں اور کسی کو حق نہیں کہ اسے کاٹے جیسا کہ خداوند عالم فرماتا ہے وَاَنَّ الۡمَسٰجِدَ لِلّٰهِ اور سجدے کی جگہیں خاص خدا کے لئے ہیں۔ معتصم عباسی نے آپ کے کلام کو پسند کیا اور حکم دیا پس چور کا ہاتھ وہی سے کاٹا گیا جہاں سے حضرت نے فرمایا تھا اس وقت مجھ پر قیامت گزر گئی اور میں نے تمنا

کی کاش میں مر گیا ہوتا تا کہ ایسا روز بد نہ دیکھا ہوتا زرقان کہتا ہے کہ تین دن کے
بعد ابن ابی داؤد خلیفہ کے پاس گیا اور خلوت میں اس کہا کہ خلیفہ کی خیر خواہی مجھ پر
لازم واہم ہے اور وہ معاملہ جو آج سے چند دن پہلے واقع ہوا ہے وہ آپ کی حکومت
وسلطنت کے لئے مناسب نہیں تھا کیونکہ خلیفہ کے لئے جو اس مسئلے میں مشکل ہو گیا
تھا علماء و وزراء، افیسران و امراء اور اکابرین اشراف کے سامنے اس سے سوال کیا تو
ان لوگوں نے ایک طریقے پر جواب دیا اور اس مجلس میں اس شخص سے سوال کیا کہ
اہل عالم میں سے آدھے لوگ اس کو امام اور خلیفہ سمجھتے ہیں اور خلیفہ کو اس کے حق کا
غاصب شمار کرتے ہیں جب کہ اس نے تمام علماء کے خلاف فتویٰ دیا اور خلیفہ نے
تمام علماء کی رائے چھوڑ کر اس کے فتویٰ کے مطابق عمل کیا اور خبر لوگوں کے درمیان
منتشر ہوگئی اور یہ بات حجت اور دلیل ہوگئی اس کے ماننے والوں اور شیعوں کے
لئے معتصم نے جب یہ باتیں سنی تو اس کا رنگ متغیر ہو گیا اور آگاہ ہو کر کہنے لگا خدا
تجھے جزائے خیر دے تو نے مجھے ایسی بات سے آگاہ کیا جس سے میں غافل تھا کچھ
دنوں کے بعد اپنے ایک منشی کو بلاک کر اسکو حکم دیا کہ وہ حضرت کو دعوت طعام دے
اور ان کے کھانے میں زہر ملا دے اس بد بخت نے حضرت کو دعوت پر بلایا تو حضر
ت نے معذرت کی اور فرمایا تمہیں معلوم ہے کہ میں تمہاری مجلس میں حاضر نہیں ہوتا
لیکن اس ملعون نے بہت اصرار کیا آپ کی دعوت کرنا اور آپ کی تشریف آوری کا

مقصد میرے گھر میں برکت ہوگی اور خلیفہ کا ایک وزیر بھی آپ سے ملاقات کی خواہش رکھتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ آپ کی صحبت سے شرفیاب ہو اسیطرح اس کے اصرار پر امام مظلوم اس کے گھر تشریف لے گئے جب کھانا آیا آپؑ نے تناول فرمایا اور آپ نے زہر کا اثر اپنے گلے میں محسوس کیا تو دستر خوان سے کھڑے ہو گئے اور اپنا گھوڑا منگوایا مگر صاحب خانہ آپ کا راستہ روک کر کھڑا ہوا اور ٹھہرنے پر اصرار کیا تو حضرت نے فرمایا جو کچھ تو نے میرے ساتھ کیا ہے اب میں تیرے مکان میں نہ رہوں تو تیرے لئے بہتر ہوگا پس جلدی سے سوار ہو کر اپنے مکان کی طرف لوٹ گئے جب اپنے مکان میں پہنچے تو اس زہر کا اثر آپ کے جسم مبارک میں ظاہر ہوا اس لئے سارا دن آپ تکلیف و دکھ میں مبتلا رہے اور اسیطرح آپ کا طائر روح بہشت برین کی جانب پرواز کر گیا صلواۃ اللہ علیہ۔

آپ کا جنازہ غسل و کفن کے بعد مقابر قریش میں لے آئے اور آپ کے جد بزرگوار امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کی پشت سر کی طرف دفن کیا حسب ظاہر واثق باللہ نے اجتماعی نماز جنازہ پڑھائی مگر حقیقت میں امام علی النقی علیہ السلام نے بحکم خدا مدینہ سے طے الارض کر کے اپنے والد بزرگوار کے غسل و کفن نماز جنازہ اور دفن میں حصہ لیا۔ اسیطرح بصائر الدرجات میں ایک ایسے شخص سے روایت نقل ہوئی ہے جو ہر وقت امام علی النقی علیہ السلام کے ساتھ مدینہ منورہ میں رہتا تھا وہ کہتا ہے کہ

جس وقت حضرت بغداد میں تھے میں ایک دن امام علی النقی علیہ السلام کے ساتھ بیٹھا تھا حضرت ابھی بچہ تھے اور آپ کے سامنے ایک تختی تھی جسے آپ پڑھ رہے تھے اس دوران اچانک آپ کی حالت متغیر ہوئی اور آپؑ اٹھ کر گھر کے اندر چلے گئے پھر اچانک گریہ وزاری کی آواز سنی جو گھر کے اندر سے آرہی تھی اور کچھ دیر بعد حضرت علی النقیؑ باہر آئے تو میں نے پوچھا ان حالات کی وجہ کیا تھی اس پر آپؑ نے فرمایا اس وقت میرے والد بزرگوار نے وفات پائی ہے میں نے عرض کیا آپ کو کیسے معلوم ہوا آپ نے فرمایا خداوند عالم کی طرف سے اجلال و تعظیم کی ایک حالت مجھ پر طاری ہوئی اس سے قبل میں اپنی ذات میں ایسی حالت محسوس نہیں کرتا تھا اس خاص حالت سے میں سمجھا ہوں کہ میرے والد وفات پا گئے ہیں اور امامت میری طرف منتقل ہو گئی ہے اور کچھ مدت کے بعد خبر آئی کہ حضرت محمد تقی جواد علیہ السلام اس وقت رحمت الٰہی سے واصل ہوئے تھے اگرچہ آپ کی تاریخ وفات میں اختلاف ہے مگر زیادہ مشہور یہ ہے کہ آخر ماہ ذیقعدہ ۲۲۰ ہجری میں آپ شہید ہوئے اور یہ وقعہ مامون عباسی کی وفات کے ڈھائی سال بعد کا ہے اس سلسلے میں آپؑ کا ایک قول بھی نقل ہوا ہے اَلْفَرَجُ بَعْدَ الْمَامُون ثَلاثِینَ شَهراً مامون کے تیس ماہ کے بعد کشائش و چھٹکارا ہے اور علامہ مسعودی نے آپ کی وفات پانچ ذالحجہ ۲۱۹ ہجری بیان کیا ہے اور وفات کے وقت آپ کی عمر مبارک پچیس سال اور چند ماہ تھی۔

اولاد امام محمد تقی علیہ السلام

امام محمد تقی جواد الائمہ علیہ السلام کی اولاد کے بارے فاضل نساب سید ضامن بن شدقم حسینی مدنی نے کتاب تحفۃ الازہار فی نسب ابناء الائمۃ الاطہار میں حضرت محمد تقی جوادؑ کے چار بیٹے ابوالحسن امام علی تقی علیہ السلام ابواحمد موسیٰ مبرقع ابواحمد حسین اور ابوموسیٰ عمران لکھا ہے اور حضرت کی بیٹیاں فاطمہ خدیجہ ام کلثوم اور حکیمہ تھیں ان سب کی والدہ سمانہ مغربیہ تھیں اور جناب شیخ مفید نے امامہ نام کی ایک اور بیٹی کا بھی ذکر کیا ہے مگر ماموں عباسی کی بیٹی ام الفضل سے امام محمد تقی علیہ السلام کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ پس آپؑ کی نسل دو بیٹوں امام علی النقی علیہ السلام اور جناب ابواحمد موسیٰ مبرقع رحمۃ اللہ علیہ سے چلی ہے اور ابواحمد موسیٰ کو مبرقع اس لئے کہتے ہیں کہ آپ ہمیشہ چہرے پر برقع ڈالے رہتے تھے اور آپ ہی سادات رضویہ کے جداعلیٰ ہیں اور بہت سے سادات کا سلسلہ نسب ان تک پہنچتا ہے اور اسیطرح سادات رضویہ میں سے وہ پہلے شخص ہیں جو ۲۵۶ ہجری کے دوران قم میں وارد ہوئے جب آپ قم شہر میں وارد ہوئے تو عرب کے بڑے لوگوں نے آپ کو قم سے نکالا یا اس لئے آپ کاشان چلے گئے اور کاشان میں احمد بن عبدالعزیز عجلی نے آپ کی عزت واحترام کیا اور آپ کے لئے خرچہ اور سالانہ تعاون کا وعدہ کیا مگر بعد میں

روسائے عرب اور اہل قم پشیمان ہوئے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر نہایت احترام کے ساتھ آپ کو قم واپس لے آئے اور آپ کی نہایت عزت و احترام کیا اور مالی تعاون کیا تب آپ صاحب ثروت بن گئے تھے اور ۲۹۶ ہجری بدھ کی رات ماہ ارد بہشت کے آخری دن اور ماہ ربیع الثانی کے اختتام کے لئے دو دن باقی تھے آپ نے اس دنیا سے رحلت فرمائی اور امیر قم عباس بن عمرو غنوی نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور قم میں دفن ہوئے ابو احمد یا ابو جعفر جناب موسیٰ مبرقع کی قبر کے احاطے کو چہل اختران کہتے ہیں اسیطرح اولاد و ذریت جناب موسیٰ مبرقع کی زیادہ تعداد قم اور رے میں رہی پھر دہاں سے خراسان و ہمدان قزوین ہندوستان اور کشمیر میں منتشر ہوئی اور اس وقت شیعوں کے شہروں اور دیہاتوں میں یہ شریف سادات موجود ہیں۔

شجرہ سادات رضویہ گلگت

ماخذ از- سلسلہ نسب امام محمد تقی جوادالائمہ ابن علی رضاؑ ابن امام موسیٰ کاظم علیہ السلام قم مقدس ایران۔

حضرت امام علی رضا علیہ السلام کے نامور فرزند امام محمد تقی جواد علیہ السلام ایک ہی بیٹا تھے اور فاطمہ نام کی ایک بیٹی تھی پس امام محمد تقی علیہ السلام کے نسبت سے اس سلسلہ نسب کو تقوی بھی کہتے ہیں لیکن امام علی رضا علیہ السلام کے خصوصی حکم کے مطابق اس سلسلہ نسب کو رضوی کہتے ہیں چنانچہ سادات تقوی و رضوی کا سلسلۂ شجرہ نسب یوں بیان کیا گیا ہے۔

ابوالحسن امام علی النقی علیہ السلام ابواحمد موسیٰ مبرقع ابواحمد حسین اور ابوموسیٰ عمران پس سادات تقوی و رضوی کے جد اعلیٰ جناب موسیٰ مبرقع رحمۃ اللہ علیہ تھے آپ کا بیٹا ابوالمکارم سید احمد آپکا بیٹا ابوعلی محمد اعرج آپکا بیٹا سید احمد نقیب والقسیم آپکا بیٹا سید یعقوب آپکا بیٹا ابوعلی سید محمد آپکا بیٹا ابوالقاسم سید علی آپکا بیٹا ابومحمد سید حسن آپکا بیٹا ابوجعفر آپکا بیٹا ابوالفتح آپکا بیٹا سید یحییٰ آپکا بیٹا سید صالح آپکا بیٹا سید حسین آپکا بیٹا سید عبداللہ آپکا بیٹا سید زید آپکا بیٹا سید محمود آپکا بیٹا سید ابراہیم آپکا بیٹا سید سلیمان آپکا بیٹا سید عثمان علی آپکا بیٹا سید ابراہیم آپکا بیٹا سید بہاءالدین آپکا بیٹا سید جلال الدین آپکا

بیٹا سید شمس الدین آپ کا بیٹا سید معز الدین آپکا بیٹا سید مغیث الدین آپکا بیٹا سید منصور آپکا بیٹا سید عالم آپکا بیٹا سید محمد آپکا بیٹا سید اسمٰعیل شاہ آپکا بیٹا سید مبارک شاہ آپکا بیٹا سید عبدالقادر آپکا بیٹا سید نوح آپکا بیٹا سید فاضل شاہ آپکا بیٹا سید احمد شاہ آپکا بیٹا سید عبدالولی آپکا بیٹا سید فخر الدین آپکا بیٹا سید اسمٰعیل آپکا بیٹا سید اسد علی شاہ اسیطرح سادات رضویہ گلگت کی دو شاخوں میں سے اس ایک شاخ کے جداعلیٰ سید اسد علی شاہ رضوی ہیں اور ملکہ جوار خاتون دختر شاہ مرزہ خان سوم والی گلگت کے دور حکومت میں سید اسد علی شاہ رضوی وارد گلگت ہوئے اور والی گلگت کی طرف سے جاگیر زمین کے ساتھ ایک وزیر زادی جمیلہ خاتون نامی لڑکی سے آپ کی شادی ہوئی اور اسی جمیلہ خاتون کے بطن سے سید اسد علی شاہ کے تین بیٹے ہوئے یعنی سید احمد علی شاہ، سید اکبر علی شاہ اور سید حسن علی شاہ اور سید احمد علی شاہ کے تین بیٹے تھے سید صادق علی شاہ، سید محبت علی شاہ اور سید باقر شاہ تھے مگر سید باقر شاہ لاولد فوت ہوئے جو ٹوک نگرل گلگت میں مدفون ہیں اور سید صادق علی شاہ کا ایک بیٹا سید ابرہیم شاہ مرحوم زیارت محلہ امپھر ی دینور تھے اور سید ابراہیم شاہ رضوی کے دو بیٹے سید احمد شاہ المعروف بپو اور سید نجم الحسن المعروف آغا جان ہیں اور سید محبت علی شاہ کے تین بیٹے سید عقیل شاہ سید لطف علی شاہ اور سید بزرگ شاہ تھے اور سید عقیل شاہ کے تین بیٹے ہیں سید منور حسین سید منظور حسین تقی اور سید انصار حسین مگر سید لطف علی شاہ لاولد

ہوئے اور سید بزرگ شاہ مفقو دالحواس ہیں اور سید اسد علی شاہ کے دوسرے بیٹے سید
اکبر علی شاہ کے تین بیٹے سید عون علی شاہ سید لطف علی شاہ اور سید احمد شاہ تھے اور سید
عون علی شاہ کے چار بیٹے سید جواد علی شاہ دنیور کی نرینہ اولاد نہیں ہے چار بیٹیاں ہیں
سید قاسم شاہ کی ایک بیٹی فاطمہ تھی جو سید طیب علی شاہ مرحوم کی والدہ اور سید اختر
حسین رضوی کی دادی تھی اور سید سعید علی شاہ نوبل کے دو بیٹے سید فدا حسین اور سید
ذاکر حسین مرحوم تھے اور سید مرتضیٰ شاہ جگوٹ کے دو بیٹے سید مختار حسین اور سید ممتاز
حسین جلال آباد ہیں اسیطرح سید اکبر علی شاہ کا دوسرا بیٹا سید لطف علی شاہ تھے اور
سید لطف علی شاہ نگرل کے دو بیٹے سید میر فاضل شاہ نجفی اور سید ابرہیم شاہ سکوار ہیں
اور سید میر فاضل شاہ عادل امکھری کے تین بیٹے اور ایک بیٹی ہے اور بیٹوں میں
سے سید ضیاء الدین رضوی شہید سید رضی الدین رضوی اور سید نظام الدین رضوی
ہیں اور سید ضیاء الدین رضوی شہید کے تین بیٹے اور ایک بیٹی ہے اور بیٹے سید حسین
رضوی سید علی رضوی اور سید حسن رضوی ہیں اسیطرح سید ابراہیم رضوی سکوار کے
سات بیٹے ہیں سید محمد شاہ سید طیب علی شاہ سید یعقوب علی شاہ سید بلبل شاہ سید محبوب
علی شاہ سید عاشق حسین قمی عامل دنیور اور سید اعجاز حسین اور سید اسد علی شاہ کا تیسرا
بیٹا سید حسن علی شاہ کے دو بیٹے سید عابدین شاہ اور سید احمد شاہ تھے سید عبدین شاہ
کے تین بیٹے سید اسمٰعیل شاہ سید عبداللہ شاہ اور سید جعفر شاہ تھے اور سید اسمٰعیل شاہ

المعروف آغا اسمٰعیل شاہ بارگو کے دو بیٹے سید احمد علی شاہ رضوی اور سید شمس الحسین رضوی ہیں اور سید احمد علی شاہ کے تین بیٹے ڈاکٹر سید سرتاج حسین رضوی، سید اشتیاق حسین اور سید دیدار حسین کے علاوہ چار بیٹیاں ہیں ان میں سے ایک بیٹی سید جعفر شاہ ایڈوکیٹ کی عقد میں ہے اور سید عبداللہ شاہ کے دو بیٹے سید حسن شاہ نگرل اور سید شرف شاہ سائزنگر لاولد فوت ہوئے اور سید حسن شاہ رضوی کے آٹھ بیٹے سید حسین اکبر سید حسین اصغر اور سید ہدایت حسین غازی وغیرہ ہیں۔ اسیطرح سید عابدین شاہ کا دوسرا بیٹا سید جعفر شاہ کا ایک بیٹا سید محمد علی شاہ نگرل اور ر سید محمد علی شاہ کے دو بیٹے سید اعجاز حسین شہید اور سید اجلال حسین ہیں اور سید احمد شاہ سکوار سے ایک بیٹا سید محمد حسن ہیں اور آپ کے پانچ بیٹے ہیں اور سید نجم الحسن رضوی سب سے بڑے ہیں۔

سید اسماعیل شاہ رضوی معروف آغا اسماعیل شاہ بزرگ و کمت

سید اختر حسین رضوی قمی سلوار نکہت

شہید سید ضیاء الدین رضوی کا خاندانی پس منظر

سرزمین گلگت میں اس سلسلہ نسب میں علم وعمل اور زہد وتقوکی کے ساتھ اپنی خاندانی شرافت کے حوالے سے آغا میر فاضل شاہ المعروف عادل سید خطہ شمال میں مشہور تھے سید میر فاضل شاہ سید لطف علی شاہ نگرل کے ہاں پیدا ہوئے اپنے خاندانی شرافت ونجابت کی وجہ سے مذہبی تعلیم کی طرف راغب ہوئے اور ابتدائی تعلیم کے بعد مرکز علم نجف اشرف عراق چلے گئے اسطرح سرزمین نجف عراق میں باب مدینۃ العلم حضرت علی علیہ السلام کی چوکھٹ پر تقریباً پندرہ سال تک حصول علم و عمل میں گزار کر اپنا وطن مالوف گلگت تشریف لائے اور اس سرزمین میں اپنی پرثمر جوانی اور بڑھاپے کی زندگی گزاردی اسطرح حجۃ الاسلام آغا سید میر فاضل شاہ نجفی علم وعمل اور زہد وتقویٰ میں خاص شہرت رکھتے تھے اس لئے آپ عادل سید کے نام سے مشہور تھے چونکہ مشہور ذاکر اہلبیت اور عامل آغا سید میر احمد شاہ رضوی المعروف بڑو سید امپھری گلگت کی دامادی آپکو نصیب ہوئی تھی۔ اس لئے اپنے خاندانی شرافت کی وجہ سے یہ خانوادہ اس دونوں بزرگوں کی وفات کے بعد تک ایک ہی گھر میں رہتے تھے اور اس وحدت واتحاد کا مرکز ثقل آغا ضیاء الدین شہید کی والدہ چونی زری ہے بحمد اللہ آج بھی وہ بقید حیات ہے اور سب پر اس کی نظر شفقت ومرحمت

جاری ہے چونکہ آغا میر فاضل شاہ نجفی اپنے ماموں اور سسر آغا میر احمد شاہ کی طرح خطیب وذاکر نہیں تھے مگر آپ نے پوری زندگی درس قرآن وحدیث علم صرف ونحو اور درس مسائل فقہ کے ساتھ نماز جماعت کی امامت میں گزاری مگر آپ نے نماز جمعہ نہیں پڑھایا اس کی خاص وجہ خطبہ جمعہ تھا چونکہ نماز جمعہ میں خطبہ جمعہ تیسری شرط ہے آپ تقریر نہیں کرتے تھے آپ میں ملکہ خطابت نہیں تھا آپ عادل سید یا پیشوا سید کے نام سے مشہور ومعروف تھے راقم نے اپنے زمانہ طالب علمی اور اس کے بعد بھی زوار سنگی مرحوم کی مسجد میں جو آپکا مرکز اور درسگاہ بھی تھی نماز جماعت کی سعادت حاصل کی ہے آپ اکثر دوپہر اور شام کی نمازیں مرکزی جامع مسجد امامیہ گلگت میں پڑھاتے تھے مگر روزانہ صبح کی نماز گھر کے پاس موجود محمد حنیفہ مرحوم کی مسجد میں تنہا پڑھتے تھے آپ شب زندہ دار عبادت گزار تھے پوری زندگی نماز شب کو ترک نہیں کیا سرزمین گلگت کی یخ بستہ ہواؤں میں بھی آپ نے کبھی گرم پانی سے نہ وضو کیا ہے اور نہ غسل آپ موسم سرما ہو یا گرما ہر وقت جاری پانی میں وضو اور غسل کرتے آپ ہر وقت دریائے گلگت اور گھر کے قریب چشمے میں نہاتے تھے اس حوالے سے آپ کثیر شک لوگوں کی طرح احتیاط پر عمل کرتے تھے آپ ہمہ وقت عالمانہ لباس عمامہ اور عبا وقبا، زیب تن فرماتے تھے اور اپنی پوری زندگی کو سیاست وریاست سے دور رکھا اور اپنے نفس پر قابو رکھا اس لئے سب مسلمان بلاتفریق مسلک ومکتب آپ کو عزت

واحترام کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور سب ہی سلام وآداب کے ساتھ دست بوسی کرتے
تھے اور یہ سب آپ کا عملی کردار اور توجہ الی اللہ کے طفیل تھا اسیطرح آغا میر احمد شاہ
رضوی رحمۃ اللہ علیہ کی خاص سرپرستی اور تعاون کی بدولت آپ کی ذات خطہ شمال
گلگت میں مرکز کی حیثیت رکھتی تھی۔ اس لئے مقامی حکومت اور اس کے ہمدردوں
نے آپ کی اس حیثیت سے مذہبی اور سیاسی استعفادے کی بھرپور کوشش کی مگر اس
بندہ خدا نے اپنے آپ کو اس دلدل میں پھنسنے نہ دیا اور پاک وصاف رہے پس جو
خدا کے ہوتے ہیں خدا کی مخلوق اس کی ہوتی ہے اس لئے عامۃ الناس کے علاوہ علماء
کرام اور آپ کے ہمدرس نجفی علماء کا آپ کے پاس تانتا بندھا رہتا تھا اسیطرح
مہمان نوازی میں اس گھرانے کی دعوت شیراز سب کے لئے عام تھی اس کے علاوہ
نکاح وطلاق کے ساتھ دیگر شرعی معاملات میں لوگ آپ کی طرف رجوع کرتے
تھے علم وعمل اور صاف گوئی اور خلوص میں آپ بے مثال تھے اس لئے سرزمین
گلگت اور اس کے ایالات استور، ہراموش سئی جگوٹ بارگو شروٹ جلال آباد بگروٹ
جگلوٹ نومل اور غلتر کے علاوہ سابق ریاست ہائے نگر اور ہنزہ کے مومنین کے لئے
آپ ایک مذہبی اور روحانی مرکز تھے اور آپکا مقام جامع الشرائط مرجع تقلید کی طرح
قابل اعتماد ویقین تھا اسیطرح مسئلہ ومسائل شرعی اور تبلیغ اارشاد کے حوالے سے یہ
خانوادہ ایک تبلیغی مرکزی کی حیثیت رکھتا تھا آپ نہایت حلیم اور نرم خو تھے اس لئے

اگر کسی طالب علم پر ناراض ہوتے تو ڈانتے ہوئے بھی دعائیہ جملہ کہتے تھے جیسا کہ شینا زبان میں روک کھیگا ایک عام ناراضگی کا جملہ ہے اس میں بھی آپ روک نہ کھیگا کہتے تھے لیکن یہ میرا مشاہدہ ہے اور بھی لوگ تھے آپ نے عمامہ اتار کر دعا کی تھی جب ذوالفقار علی بھٹو کے دور میں جلوس عاشورا پر فوج کی موجودگی میں دیوبندی مسجد گلگت سے فائرنگ ہوئی تھی اس حوالے سے آپ نے دعا کی تھی اس کے سنگین اثرات مقامی حکومت اور ذوالفقار علی بھٹو اور اس کی حکومت کے خلاف مرتب ہوئے۔

قدیم دور میں علماء اور عوام کے اندر دونوں طرف سے سننے اور سنانے میں عقیدت وخلوص پایا جاتا تھا مگر اب وہ دور گزر گیا ہے اس لئے ہر کام سیاست اور ذاتی مفاد کے تناظر میں انجام پار ہا ہے اس قدیم دور میں عوام کی طرف سے دعوتیں عقیدت وخلوص سے بھر پور ہوتیں تھیں اور وجوہات شرعیہ کی دائیگی عبادت اور حکم خدا سمجھ کر ادا کرتے تھے مگر اب سارے کام ذاتی مفاد دنیاوی شہرت اور سیاست کے تناظر میں انجام دیئے جارہے ہیں اس دور میں لوگ ان بزرگوں سے پیشگی وقت مقرر کر کے اپنی باری کے مطابق دعوت کا اہتمام کرتے تھے اور آنے جانے کے لئے سواری کا بھی بدوبست کرتے تھے اور لوگ ہفتوں تک باری کا انتظار کرتے تھے۔

﴾ستیو اشپو﴿

ستیو اشپو یعنی سیدوں کا گھوڑا یہ ضرب المثل شینا زبان میں مشہور ہوئی ہے یعنی کوئی شخص ہر آنے والے کے ساتھ رُک کر بات کرے تو گلگت کی شینا زبان میں اس کو ستیو اشپو کہتے ہیں قدیم دور میں سواری کے لئے گھوڑا استعمال ہوتا تھا اس لئے راجوں سیدوں امیروں اور پولو کے شوقین کھلاڑیوں کے پاس گھوڑے ہوتے تھے اسیطرح 1958ء میں جب میں اس خانوادے کی سرپرستی میں زیر تعلیم تھا اس گھر میں بھی سواری کے لئے ایک سفید گھوڑا ہوتا تھا جس کی دیکھ بال شفا علی اور مریمو مرحوم کرتے تھے مریمو لاولد فوت ہوا اس گھر کا خادم تھا مگر شفا علی کی حیثیت ایک گھریلو فرد کی طرح تھی اس سفید گھوڑے پر میں نے بھی اکثر سواری کی ہے اس کی یہ عادت تھی کہ چلتے چلتے کوئی شخص سامنے سے آجائے تو قریب آتے ہی وہ گھوڑا کھڑا ہوتا تھا اس کی یہ خاص عادت ان بزرگوں سے عقیدت مندی کی دلیل تھی کیونکہ ان بزرگوں میں سے کوئی کہیں جاتے ہوئے سواری کر کے نکلے تو راستے میں ہر آنے والا اسلام کر کے دست بوسی کرتا تھا اسیطرح گھوڑے کی طبیعت میں یہ عادت پڑھ گئی تھی کہ ہر آنے والے کے سامنے رُکتا تھا اسیطرح عقیدت مندی کا یہ عالم تھا کہ ان بزرگوں میں سے کوئی پیدل بازار کی طرف نکلے تو راستے میں آداب وسلام کے علاوہ دست بوسی کا ایک سلسلہ جاری ہوتا تھا اور وہ حضرات بلا جھجک کسی بھی مکتب فکر کی

دکان میں تشریف رکھتے اور چائے کی ایک پیالی پی کر دعائے خیر کے بعد چلے جاتے تھے۔

اب دنیا میں علم کی سرعت رفتار کے باوجود وہ پرخلوص اور پرامن دور چلا گیا ہے اور آج وہ زمانہ ہے کہ علماء دیکھا دیکھی بڑی بڑی گاڑیوں میں بیٹھ کر محافظوں کے حصار میں آتے جاتے ہیں میں یہ نہیں کہتا وقت کے وسائل سے استفادہ نہ کیا جائے بلکہ شکر یہ نعمت کے ساتھ ان سے استعفادہ بلا مانع ہے لیکن یہ استعفادہ تکلفات سے آزاد ہو ورنہ انسان کی یہ فطرت ہے کہ اس کے اندر نخوت و غرور آجاتا ہے اور مثل مشہور ہے کہ غرور کا سر نیچا ہوتا ہے جناب قاضی نثار احمد گورنمنٹ بوائز ہائی سکول نمبر 1 گلگت میں میرا شاگرد رہا ہے اس لئے سلام و دعا میں وہ پہل کرتے ہیں ایک دن میں شاہ ہمدان مسجد کو نوداس کی طرف پیدل جا رہا تھا اور گلگت کے قدیم معلق پل سے چند قدم آگے نکلا تھا موصوف ایک سوزوکی میں سوار آئے اور گاڑی روک کر سلام و دعا کیا اس دوران سوزوکی میں ایک فولڈ کلاشنکوف بردار محافظ کو دیکھ کر میں مسکرایا تو وہ بڑی تیز نظر رکھتا ہے آپ نے کہا استاد آپ کی معنی خیز مسکراہٹ سے میں سمجھ گیا ہوں کہ آپ کچھ کہنا چاہتے ہیں اس پر میں نے کہا آپ کے والد بزرگوار قاضی صاحب مرحوم لاٹھی ٹیکتے ہوئے مسجد آتے اور پیدل چلے جاتے تھے اور لوگوں سے آداب و سلام وصول کرتے ہوئے گھر جاتے تھے

اسیطرح آغا ضیاء الدین رضوی کے والد بزرگوار بھی لاٹھی ٹیکتے ہوئے مسجد و بازار آتے اور لوگوں کی طرف سے آداب وسلام اور دست بوسیوں کے ساتھ زندگی کیا کرتے تھے لیکن آج کے اس جدید دور میں آپ لوگ محافظوں اور بندوقوں کی حصار میں زندگی کرتے ہو آخر یہ کیوں ہے اور کیا ہے اور یہ انداز زندگی نہ خلفائے راشدین کی طرح ہے اور نہ ائمہ معصومینؑ کی طرز زندگی کے مطابق ہے اس پر قاضی نثار صاحب نے کہا استاد موجودہ حالات کے تناظر میں مجبوری بن گئی ہے مگر میں نے کہا دارالخلافہ گلگت میں دو اہم اور بڑے اسلامی مراکز ہیں یہاں سے اسلام اور سلامتی کی تبلیغ ہوتی ہے اس حوالے سے وحدت واتحاد اور امن آشتی کی طرف ملت کی راہنمائی کرنا چاہیے میرا عقیدہ اور اندازہ ہے کہ گلگت میں کوئی شیعہ ایسا نہیں جو آپ کو کچھ کہے اور نہ کوئی سنی ایسا ہے جو ضیاء الدین رضوی کو کچھ کہئے خدانہ خواستہ اگر کوئی بین الاقوامی سازش ہو جائے تو یہ بندوقیں تحفظ فراہم نہیں کر سکتی ہیں بدقسمتی سے میں نے اپنی زندگی میں ہی آغا سید ضیاء الدین کے ساتھ اس قسم کی ننگی سازش ہوتے ہوئے دیکھا اگرچہ دنیا میں اپنی حفاظت واجب ہے اس سے غافل نہیں رہنا چاہیے مگر ہر کام کے لئے سیرت ائمہ معصومین اور صلحا امت ہمارے لئے نمونہ عمل ہے اس کے علاوہ سب ظاہر داری ہے اور دین اسلام دکھاوہ کو جائز نہیں سمجھتا ہے اور اس ظاہر داری کے برے اثرات مرتب ہو جاتے ہیں چونکہ تقوی ایک معنوی صفت

ہے اس لئے خدا سے ڈرنے والے لوگ نمود و نمائش کو پسند نہیں کرتے اور وہی لوگ
دنیاو آخرت میں کامیاب و کامران ہو جاتے ہیں انسان میں علم و معرفت کے ساتھ
زہد و تقویٰ بھی ہو تو یہ سب سے بڑی معنوی اور روحانی صفت کہلاتی ہے چنانچہ
دخداوند عالم کا ارشاد ہے کہ میرے بندوں میں سے علماء ہی خوف خدا رکھتے ہیں اسی
طرح استاد محترم حجۃ اسلام سید میر فاضل شاہ نجفی خوف خدا رکھنے والے عالم دین اور
صاحب کشف و کرامات انسان تھے 1959ء کا واقعہ ہے اور راقم خود چشم دید گواہ
ہے کہ ایک نوجوان عالم دین شیخ احمد طہرانی گلگت آئے تھے اور اس گھرانے کا مہمان
تھے ایک دن نماز مغربین کی خاطر امکھری گھر سے ہم سب آغا موصوف کے ہمراہ
مرکزی جامع مسجد امامیہ گلگت کی طرف آ رہے تھے آٹھ دس طلباء کا جھرمٹ بھی تھا
راجہ پنیال کے بنگلے سے زیلتی محلّہ کے درمیان شیخ احمد طہرانی کے ہاتھ کی گھڑی گر گئی
تھی اس لئے ہم طلباء نے دن کے اجالے میں راستے کی ساری ریت چھان ماری
مگر مہمان کی گھڑی نہیں ملی ہم مایوس ہو کر مسجد چلے گئے مگر نماز مغربین کے بعد واپسی
پر چاندکی دھندلی روشنی میں پھر سے راستے پر نظر رکھتے ہوئے گھر جا رہے تھے اور راہ
چلتے ہوئے آغا موصوف زمین کی طرف جھک گئے اور یا قتم آغا کہہ کر گھڑی اٹھائی تو
بے ساختہ شیخ احمد طہرانی نے کہا واللہ این کرامت است اسیطرح حالات کے تناظر
میں دیکھا جائے تو یقیناً یہ موصوف کی کرامت تھی اور اسی سال موسم سرما کی آمد سے

سید حیدر شاہ رضوی حیدر پور و کلات

قبل حسب سابق آغا موصوف کا سئی جکوٹ کا دورہ ہوا شیخ حیدر شاہ قزلباش مرحوم
کے علاوہ راقم بھی اس سفر میں ہمراہ تھا آغا موصوف اپنے سفید گھوڑے پر سوار تھے
اور ہم دونوں پیدل ساتھ چل رہے تھے اور اسیطرح شام ہونے سے پہلے ہم
جکوٹ گاؤں میں پہنچ گئے اور وہاں تین دن صبح دوپہر اور شام کو خوب دعوتین اڑائیں
اس موقعہ پر آقائے شیخ غلام رضا نجفی المعروف شیخ نواز جکوٹی بھی ساتھ رہتے تھے
ایک شام اخوند عون علی شاہ کی مسجد میں نماز مغربین کے لئے کھڑے ہوئے چراغ
دان میں چراغ جل رہا تھا راقم آغا کی دائیں طرف کھڑا تھا اور جماعت ہو رہی تھی
نماز میں مصروفیت کی وجہ سے چراغ کا خیال نہ تھا اور مسجد کے اندر اندھیرا سا تھا
چنانچہ نماز مغرب کی دوسری رکعت کے لئے ہم لوگ رکوع میں گئے تو اچانک میری
نظر آغا موصوف کی خاک شفا کی بڑی سجدہ گاہ پر پڑی اور اس دھندلی روشنی میں
آپ کی سجدہ گاہ میں ایک سفید رنگ کا مکان اور کچھ سر سبز و شاداب درخت نظر آئے
اور پھر پلک جھپکتے ہی وہ خوبصورت منظر آنکھوں سے غائب ہوا مگر اتنے سال
گزرنے کے بعد آج بھی وہ حسین و دلکش منظر میری نظروں میں صاف دکھائی دیتا
ہے اور وہ خاص واقعہ میرے نزدیک ایک خاص کرامت ہے اور یہ عقیدت نہیں
حقیقت ہے کیونکہ رب کائنات اپنے خاص متقی بندوں کو اپنی مہربانیوں سے نوازتا
ہے اور اس کریم کے کرم سے یہاں ہر بات بنی رہتی ہے۔۔

سید میر احمد شاہ رضوی کا سلسلہ نسب

سادات رضویہ گلگت کی دوسری شاخ میں سادات رضویہ امپھر ی گلگت سادات رضویہ حیدر پورہ (ڈومیال) گلگت سادات رضویہ پھکر نگر اور سادات رضویہ غلمت نگر مشہور ہیں اس سلسلے کا جد اعلیٰ سید میر مہدی شاہ تھے آپکا بیٹا سید شاہ صفی آپکا بیٹا سید میر محمد آپکا بیٹا سید میر ولی شاہ تھے اور سید میر ولی شاہ کے چار بیٹے تھے میر سید حیدر شاہ پھکر نگر میر سید قاسم شاہ حیدر پورہ گلگت سید رضا شاہ حیدر پورہ گلگت کے علاوہ میر سید علی شاہ لاولد فوت ہوئے پھر میر سید حیدر شاہ پھکر نگر کے پانچ بیٹے سید مہدی شاہ، سید بلبل شاہ سید میر باقر شاہ۔ سید میر اکبر شاہ اور سید میرے ولی شاہ ثانی تھے پھر بڑے بھائی سید مہدی شاہ نگر کے تین بیٹے سید قاسم شاہ رضوی سید الف شاہ، سید رسول شاہ اور سید قاسم شاہ رضوی پھکر نگر کے دو بیٹے سید حسین علی نجفی غلمت نگر سید حسین اکبر نجفی پھکر نگر ہیں سید الف شاہ رضوی کے دو بیٹے پروفیسر سید محبوب حسین رضوی ڈاکٹر سید منظور حسین رضوی ہیں اسیطرح سید رسول شاہ رضوی پھکر نگر کے دو بیٹے مولوی سید گلزار حسین قمی سید اقبال حسین ہیں۔ اسیطرح بلبل شاہ ابن سید میر
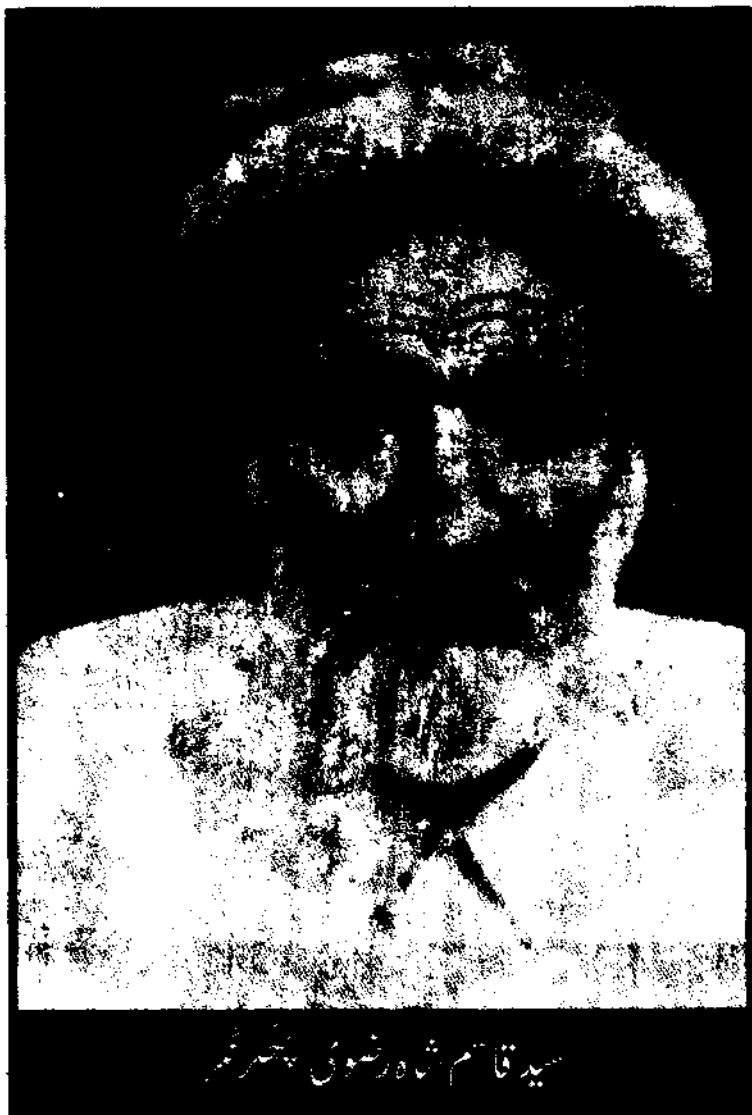
سید قاسم شاہ رضوی بھکری
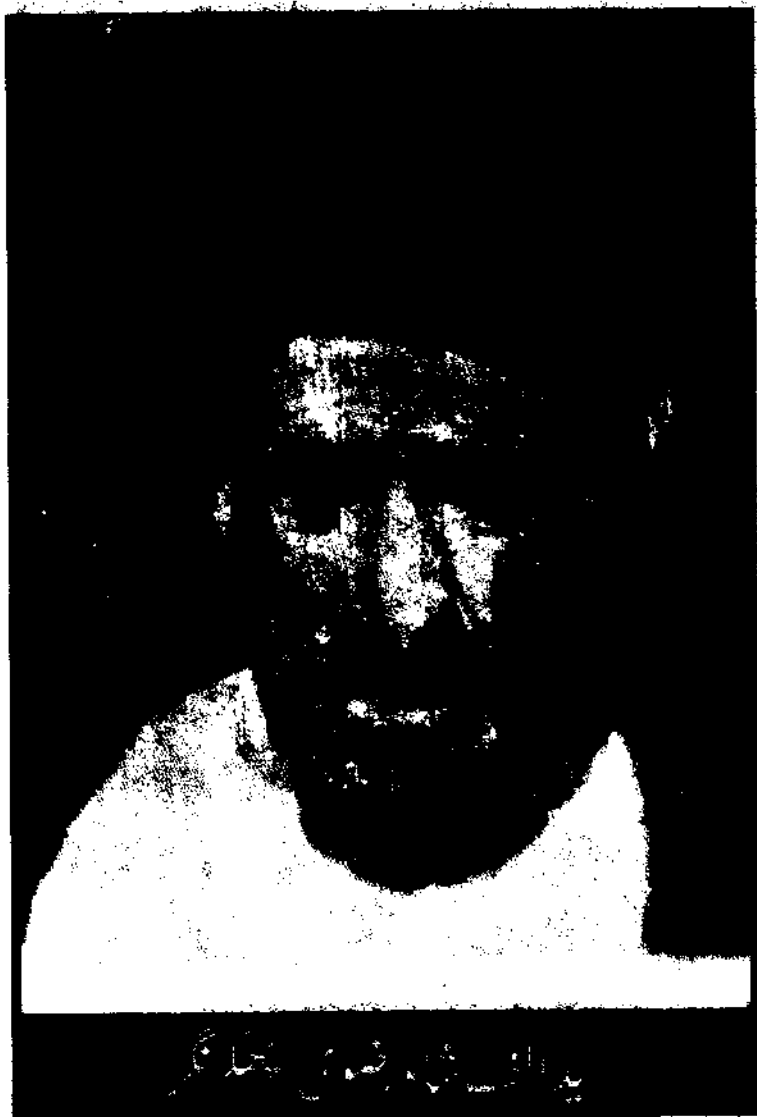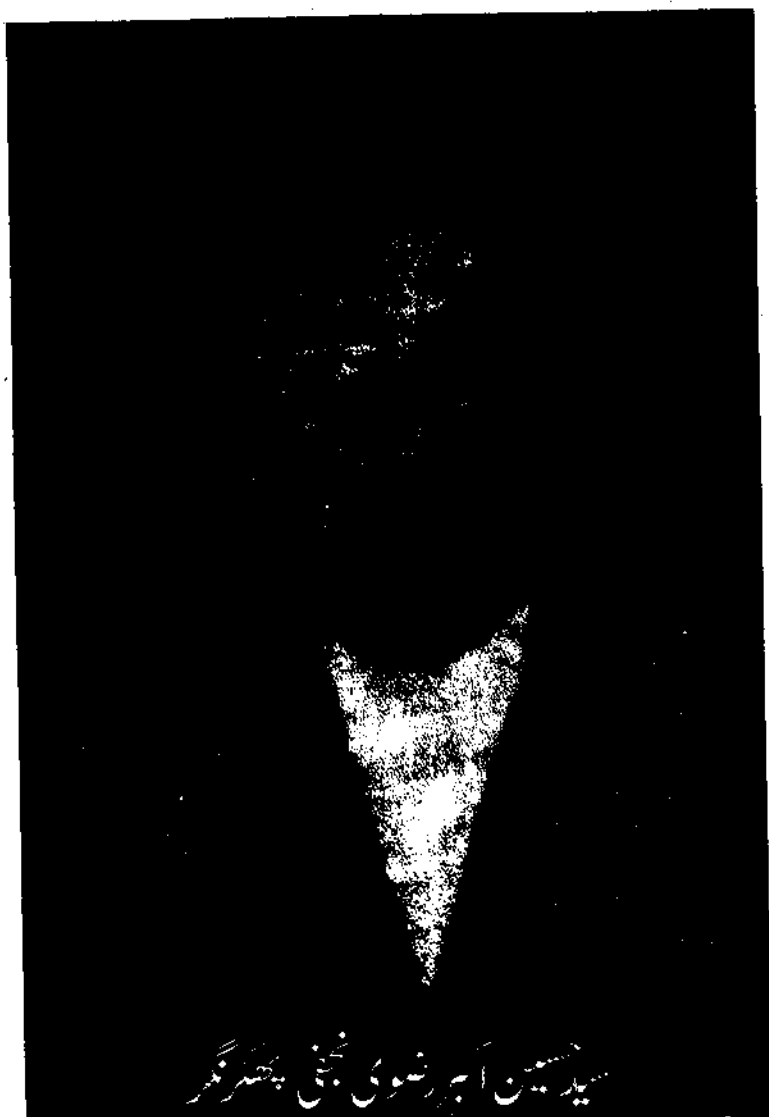
سید حسین آجر رضوی نجفی بھسر نگر

حیدر شاہ کا ایک بیٹا سید عباس موسوی غلمت نگر اور سید میر باقر شاہ رضوی ابن سید میر حیدر شاہ رضوی کا ایک بیٹا سید سلطان موسوی غلمت نگر ہے اور سید میر اکبر شاہ لاولد فوت ہوئے ہیں اور سید میر ولی شاہ ثانی کے دو بیٹے سید شاہ صفی غلمت جو لاولد فوت ہوئے اور سید مرتضیٰ شاہ غلمت تھے سید مرتضیٰ شاہ کے دو بیٹے سید مصطفیٰ شاہ اور سید میر فاضل شاہ ہیں اسیطرح سید میر ولی شاہ اول کے دوسرے بیٹے میر سید قاسم شاہ حیدر پورہ (ڈومیال) گلگت کے چھے بیٹے تھے سید شاہ صفی امپھری گلگت سید قدرت علی شاہ ڈومیال گلگت سید مسلم شاہ ڈومیال گلگت سید امان علی شاہ ڈومیال گلگت جو لاولد فوت ہوئے سید نجف شاہ لاولد فوت ہوئے اور نجف اشرف میں مدفون ہیں اور سید عباس علی شاہ بھی لاولد فوت ہوئے ہیں اور بارگو گلگت میں دفن ہیں اور اسی طرح سید شاہ صفی امپھری گلگت کا ایک بیٹا سید میر احمد شاہ المعروف بڑو سید امپھری گلگت تھے اور سید میر احمد شاہ کے چار بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں۔ بیٹوں میں سید محمد علی شاہ رضوی سید علی شاہ رضوی سید ہادی علی شاہ رضوی اور شمس الدین شہید رضوی تھے ایک لڑکی لاولد ہے اور ایک بیٹی سے سید اختر حسین موسوی سید کاظم علی خومر ہیں اور ایک بیٹی سے شہید آغا ضیاء الدین رضوی سید رضی الدین رضوی اور سید نظام الدین رضوی کے علاوہ ایک بیٹی بھی ہے۔ اسیطرح سید قاسم شاہ حید پورہ (ڈومیال) گلگت کا دوسرا بیٹا سید قدرت علی شاہ کا ایک بیٹا پیکر شرافت وتقویٰ

سید گلزار حسین رضوی قمی چھتر نگر

آغا سید حیدر شاہ مرحوم تھے اور آغا سید حیدر شاہ رضوی کا ایک بیٹا سید محمد عباس کے علاوہ دو بیٹیاں ہیں اور سید محمد عباس کے آٹھ ۸ بیٹے ہیں اسی طرح آغا حیدر شاہ مرحوم کی بڑی بیٹی سے آغا راحت حسین الحسینی کے علاوہ ۷ بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں، دوسری بیٹی سے سید اختر حسین رضوی سکوار ہیں اسی طرح میر سید قاسم شاہ کے تیسرے بیٹے سید مسلم شاہ سے الواعظ سید نجف شاہ مرحوم تھے اور سید نجف شاہ حیدر پورہ (ڈومیال) کے دو بیٹے سید محمد باقر شاہ اور سید محمد افضل شاہ ہیں اسی طرح سید میر ولی اول کے تیسرے بیٹے سید رضاء شاہ تھے اور سید رضا شاہ کے دو بیٹے سید عزت شاہ اور سید اصغر شاہ تھے اور سید عزت شاہ کا ایک بیٹا سید ابراہیم شاہ تھے اور سید ابراہیم شاہ کا ایک بیٹا سید میر فاضل شاہ رضوی حیدر پورہ (ڈومیال) گلگت ہیں اور سید اصغر شاہ کا ایک بیٹا سید مولا شاہ تھے اور سید مولا شاہ رضوی کے دو بیٹے سید حسین اکبر رضوی اور سید حسین اصغر رضوی ہیں۔

اسی طرح آغا شہید سید ضیاء الدین رضوی کے نانا استاد محترم ذاکر اہلبیت عالم زمان آقائے میر احمد شاہ رضوی تھے آپ کی ولادت سید شاہ صفی کے ہاں 1884ء میں ہوئی آپ بڑو سید کے نام سے مشہور تھے آپ نے اپنی پوری زندگی تبلیغ السلام اور ذکر فضائل و مصائب اہلبیت میں بسر کی اور آپ دم دعا اور تعویزات بھی لکھتے تھے اور اس طرح آپ پریشان حال لوگوں کی روحانی علاج بھی کرتے

تھے اور ہر قسم کے روحانی مریض آپ کے دم دعا سے صحت یافت ہوتے تھے خداوند کریم نے آپ کے ہاتھ میں شفا دی تھی اگر چہ آپ کی شخصیت سیاہ عمامے کے ساتھ رعب دار تھی اور طبیعت بھی جلالی تھی مگر اس رعب و جلال کے باوجود آپ کا انداز نہایت نرم اور دل آویز تھا اور آپ کی دست بوسی کے بعد ایک گونہ سکون ملتا تھا ۔آپ حقہ پیتے تھے اور آپ کی چلم تیار کرتے کرتے راقم کو بھی تماکو کی لت پڑھ گئی تھی آپ منبر کے شہسوار تھے فن خطابت میں پورے علاقے میں شینا زبان کے خطیب اعظم تھے اور ذکر مصائب اہلبیت علیہم السلام کے حوالے سے رونے اور رولانے میں آپکا کوئی ثانی نہ تھا آپ مناظرانہ انداز بیان کو پسند نہیں کرتے اس لئے شیعہ سنی حضرات آپ کو سنتے تھے اور ادب واحترام کی نظر سے دیکھتے تھے گھر سے پیدل چلتے یا گھوڑے پر سوار ہو کر آداب وسلام اور دست بوسیوں کا سلسلہ شروع ہوتا تھا حاجت مند لوگ بلا تفریق مکتب و مسلک اور خواتین و حضرات دم دعا اور تعویزات کی خاطر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے چنانچہ صبح وشام زوارسنگی مرحوم کی مسجد کے صحن میں عقیدت مند لوگوں کا تانتا بندھا رہتا تھا آپ ہر ایک کی روحانی پریشانیوں کا قرآنی آیات کے ذریعے شافی علاج فرماتے تھے اس لئے اکثر لوگ تحفے تحائف لیکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے اور روحانی پریشانیوں میں فیض پاتے تھے اسی طرح اس خانوادے میں دو قیمتی موتی تھے شینا زبان میں چونو

سید اور بڑو سید کی اصطلاح عام تھی علم وتقویٰ میں چونو سید آغا میر فاضل شاہ عادل بڑے تھے مگر عمر اور سسر و ماموں کی حیثیت سے نیز تحریر و تقریر کے حوالے سے آغا سید میر احمد شاہ بڑے تھے اسیطرح ان دونوں بزرگوں کے انتقال کے بعد حالات بدل گئے تھے مگر آغا ضیاء الدین رضوی کے دم خم سے اس خانوادہ کی شہرت موجود تھی کیونکہ آپ نے محراب و منبر کو سنبھالا دیا ہوا تھا مگر آغا شہید کے بعد اس گھرانے کا خاص تبلیغی سلسلہ بھی ختم ہو رہا ہے اگر چہ آغا محمد علی شاہ رضوی مقامی طور پر حسب ضرورت مذہبی اور تبلیغی خدمات انجام دے رہے ہیں لیکن میرا اندازہ ہے کہ مستقبل میں اس خانوادہ کا روحانی اور تبلیغی دور اقتدار ختم ہوتا دکھائی دیتا ہے کیونکہ ابھی تک اس گھرانے کا کوئی فرد باقائدہ دینی تعلیم کی طرف راغب نہیں ہوا ہے اور میری دلی دعا ہے کہ سلسلۂ ارشاد و تبلیغ کا اس چشمہ فیض کے سوتے ہمیشہ جاری وساری ہوں خدا کرے اس خانوادے میں آغا میر احمد شاہ رضوی آغا میر فاضل شاہ رضوی اور آغا سید ضیاء الدین رضوی جیسا فرد پھر سے پیدا ہو تا کہ دین اسلام کے تبلیغ وارشاد کا یہ باغ صدا سر سبز و شاداب رہے۔

آج دنیا کی علمی اور جدید دور کے خاص حالات کے تناظر میں کہیں طالبنائزیشن اور کہیں ماڈرن علماء کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے اور جدید دور کے علماء نام کے وردی پوش حضرات میں سیاست مدن کو مذہب کے تابع رکھنے کا شعور کم ہے

اگر کسی کے پاس شعور کی دولت ہو تب بھی وہ اپنے مفاد کی خاطر اس شعور کو مذہب و ملت کے مفاد سے دور رکھتا ہے اسیطرح دیکھا دیکھی لوگ دینی علماء اور مذہبی یعنی دینی تعلیم سے دور ہوتے جاتے ہیں اس لئے صاحبان محراب و منبر کی اس خاص روش کی بدولت عوام الناس کے ذہنوں میں کوئی قابل تقلید نمونہ عمل نظر نہیں آرہا ہے اور اکثر لوگ اس غیر ضروری رویہ کی بنا پر اس روحانی پیشے سے نفرت کی حد تک دور ہوتے جاتے ہیں کیونکہ آج نماز جمعہ ہو یا نماز عیدین ولادت معصومینؑ ہو یا شہادت معصومینؑ سیرت النبیؐ کے جلسے ہوں یا عاشورہ و اربعین کے جلوس سب مواقع میں اپنی شہرت و نمبرداری اور ذاتی مفاد کے لئے ان سے بھرپور استعفادہ کرنے کی خاص کوشش ہو رہی ہے اور کچھ علماء کا یہ خاص انداز جبہ و دستار کے اوٹ میں نام خدا و رسول اور اسماء مبارکہ معصومینؑ کو ذاتی بڑھائی اور شہرت کی خاطر استعمال کرتے ہیں اور یہ طریق کار مذہب و ملت کے لئے باعث زوال بنتا جا رہا ہے اور ہر دانشمند غیر مولوی بدظن ہو کر اندر سے ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوتا جا رہا ہے اور اسی طرح دن بدن نفرتوں میں برابر اضافہ ہوتا جا رہا ہے اور یہ غیر شرعی روش اندر سے دیمک کی طرح قومی انا کو چاٹ رہی ہے خداوند کریم اس عذاب الیم سے ملت کو نجات دے تا کہ دین اسلام کا سدا بہار چمن اپنے آب و تاب کے ساتھ قائم و شاد [illegible] رہے۔

﴿ضیاء الدین رضوی ولادت سے نوجوانی تک﴾

حجۃ الاسلام آغا میر فاضل شاہ رضویؒ کے ہاں امپھر ی گلگت میں 1958ء میں سیادت و قیادت اور شہادت کی صفات کے ساتھ ایک نونہال خوش قسمت بچے نے علم و عمل کے اس خانوادے میں آنکھ کھولی اور اس نونہال کا نام ضیاء الدین رکھا گیا آپ نجیب الطرفین رضوی سید تھے اور اس خانوادے میں آپ آغا میر فاضل شاہ رضوی المعروف عادل سید کے ہاں پہلا بیٹا اور آغا میر احمد شاہ رضوی المعروف بڑو سید کے ہاں پہلا نواسہ اور آغا محمد علی شاہ المعروف بڑو آغا کے ہاں پہلا بھانجے تھے اس لئے آپ کی پیدائش سے سب کو مسرت و شادمانی نصیب ہوئی کیونکہ حجۃ اسلام آغا میر فاضل شاہ نجفی کے ہاں بڑی دیر کے بعد آپ پہلی اولاد تھے۔ اس لئے علم و عمل کے اس خاص گھرانے نے دل کھول کر آپ کو پیار و محبت سے نوازا اور ایسا پیار و محبت فقط آپ کی قسمت تھی کیونکہ آپ کا چھوٹا ماموں آغا شمس الدین رضوی شہید بھی آپ کے ہم عمر تھے۔

راقم نے 1958ء اور 1960ء کے دوران اس دونوں شاہزادوں کو اپنی گود میں کھلایا تھا آپ کا بچپنا بڑے ناز و نعم میں بسر ہوا ہے اور اس خانوادہ کے دینی

اور روحانی ماحول میں آپ کی خصوصی نہج پر پرورش اور تربیت ہوتی رہی چونکہ راقم دینی تعلیم کے حصول کی خاطر تین سال تک اس خانوادہ کے زیر سایہ تعلیم و تربیت پاتا رہا ہے چنانچہ میں اور آغا محمد علی شاہ رضوی ایک ہی کمرے میں رہتے تھے اس لئے ناواقف لوگ مجھے بھی شاہ صاحب کہتے تھے اس حوالے سے میں نے اپنی کتاب شیعیت گلگت میں شہید ضیاء الدین رضوی کی مختصر سوانح حیات میں توضیح کی ہے جب 1961 عیسوی میں راقم ابتدائی تعلیم کے بعد مزید حصول علم کی خاطر گلگت سے صوبہ پنجاب لاہور گیا اور پاکستان کی مشہور دینی درسگاہ حوزہ علمیہ جامع المنتظر وسن پورہ لاہور میں داخلہ لیا اور چھے سال تک اس عظیم ادارے سے وابستہ رہا اس دوران جب بھی سالانہ تعطیلات کی خاطر گلگت آتا تو واجبا اس گھرانے کی زیارت اور سلام کی خاطر آتا جاتا رہتا تھا جب آغا ضیاء الدین رضوی لڑکپنے کی منزل سے گزر رہے تھے اس دوران آپ کی سیادت اور مستقبل کی قیادت کی یوں تربیت ہو رہی تھی کہ محلہ امپھری کے ہم عمر لڑکے ہر نماز مغربین کے لئے زوار سنگی مرحوم کی مسجد میں جمع ہوتے تھے اور صحن مسجد میں چھوٹا ضیاء الدین رضوی نماز مغربین کی امامت کراتے تھے اور آپکا چھوٹا ماموں آغا شمس الدین رضوی شہید نمازی بچوں پر کمان کرتے تھے اور یہ دونوں سید زادے ان بچوں کو قرآن بھی پڑھاتے تھے اگر چہ آغا شمس الدین پڑھائی میں زیادہ تیز نہیں تھے مگر بلا کا مخلص تھا اسی طرح ضیاء الدین رضوی سیادت و

قیادت اور خدمت دین اسلام کے حوالے سے آپ کی یہ طرز زندگی آپ کی ابتدائی
درس گاہ تھی اگر چہ آپ سخت ضدی طبیعت کے مالک تھے اگر کسی بات پر روٹھ جاتے
تو آپ کے معصوم چہرے سے خفگی کم ظاہر ہوتی تھی مگر اندر ہی اندر کڑتے تھے اور
جب تک اس کی ضد یا خواہش پوری نہ کیجائے آپ روتے نہیں تھے خاموش رہتے
تھے جونہی اس کی تمنا پوری ہو جاتی پیشانی سے ہلکی خفگی کا گرہ کھل جاتی تھی آپ
نہایت ہی کم گو تھے اور منانے پر جلدی مان جاتے تھے اور اس کم گوئی کی وجہ سے
گمان گزرتا تھا کہ آپ اپنے والد بزرگوار کی طرح تقریر نہیں کر سکیں گے مگر ایک
شعلہ بیان مقرر نہ ہوتے ہوئے آپ کی گفتگو متانت و سنجیدگی کی شاہکار تھی اسیطرح
گھر کے اسلامی اور مذہبی ماحول میں آپ کی اخلاقی اور دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ
آپ نے 1974ء میں گورنمنٹ بوائز ہائی سکول نمبر ا گلگت سے سائنس کے ساتھ
اول پوزیشن میں میٹرک کا امتحان بھی پاس کیا

اس دوران راقم شعبہ تعلیم سے منسلک تھا اور امپھری گلگت کے پرائمری
سکول میں ڈیوٹی کرتا تھا اور مرکزی انجمن امامیہ گلگت کا سکریٹری بھی تھا اور گلگت میں
ہی رہائش پذیر تھا ایک دن استاد محترم حجۃ الاسلام آغا میر فاضل شاہ نجفی نے مجھ سے
پاکستان کے مشہور دینی مدارس کے بارے میں تفصیلات پوچھے تو میں نے حوزہ علمیہ
جامع المنتظر لاہور میں داخلے کی تجویز دی پس میٹرک پاس کرنے کے بعد آپ دینی

تعلیم حاصل کرنے کی خاطر صوبہ پنجاب چلے گئے اور مشہور دینی درسگاہ جامع المنتظر
لاہور میں داخلہ لیا آپ ے جامع المقدمات کی بعض ابتدائی کتابیں اپنے والد
بزرگوار سے پڑھیں تھیں آپ محنتی طالب علم تھے اور سرزمین گلگت میں آپ کے
خانوادے کی علمی دینی اور تبلیغی خدمات کے پیش نظر محسن ملت علامہ سید صفدر حسین
نجفی رحمۃ اللہ علیہ پرنسپل جامع المنتظر لاہور اور علامہ حافظ سید ریاض حسین نجفی دامہ
ظلہ وائس پرنسپل نے آپ کا خاص خیال رکھا اسیطرح آغا ضیاء الدین رضوی کو ضیاء
بنانے میں دیگر اساتذہ کرام کے استاد العلماء علامہ محمد شفیع نجفی اور استاد الاساتیذ
علامہ موسیٰ بیک نجفی کی تعلیمی راہنمائی اور خصوصی توجہ نے سونے پر سہاگہ کا کام
کیا خود بھی ذہن رسار کھتے تھے اور اور محنتی طالب علم تھے اس لئے دینی تعلیم کے
ساتھ ساتھ پنجاب بورڈ سے ایف اے اور پنجاب یونیورسٹی سے بی اے کی ڈگری
بھی حاصل کی میں نے سنا ہے کہ آپ دوران تعلیم نماز تہجد پڑھنے والے خاص طلباء
میں شمار ہوتے تھے اور اس کے ساتھ چھوٹی جماعت کے طلباء کو پڑھا کر ان کی تعلیمی
مدد بھی کرتے تھے۔ چنانچہ ۹ جنوری 1980ء میں انتظامیہ کی طرف سے پہلی بار
گلگت میں شیعہ عبادات میں مداخلت ہوئی اور سانحہ چہلم رونما ہوا اور اس سانحہ
فاجعہ میں علی محمد شہید ہوئے اور سید ہدایت حسین رضوی گولی لگنے سے زخمی ہوئے
اس دوران گلگت میں ہنگامی حالات کا نفاذ ہوا راستے بند کر دیئے گئے تھے اور مرکزی

انجمن امامیہ گلگت کی طرف سے مجھے اسلام آباد اور لاہور جانے کا حکم دیا اسی طرح
میں لاہور پہنچا اس دوران آغا ضیاء الدین رضوی نے اس ریاستی ظلم و زیادتی کی عام
تشہیر میں میری ہم کاری کی اس سلسلے میں ہم دونوں ماہنامہ المنتظر لاہور کے دفتر
میں علامہ علی غضنفر کراروی صاحب سے ملے اور سانحہ چہلم اور گلگت کے حالات سے
آگاہ کیا اور اس خاص میٹنگ میں گلگت انتظامیہ کی جانبداری اور علاقہ جات کی بے
آئینی اور حکومت پاکستان کے نمائندوں کے خلاف گفتگو کرتے ہوئے میں جذباتی
ہوا تو ع غ کراروی صاحب نے اس موضوع کو سیاست کی جانب موڑ دیا اور
جانبدار انتظامیہ کی مذمت کی جگہ جانبداری برتا تو ہمارے درمیان توں تکار کی نوبت
آئی اور ہم دونوں احتجاج کر کے ماہنامہ المنتظر کے دفتر سے نکلنے لگے مگر ان لوگوں
نے ہمیں پکڑ کر روکا اور اس دوران جو باتیں ہوئیں ان کا ذکر باعث طوالت ہوگا
اسیطرح ان کے دفتر سے نکلنے کے بعد آغا موصوف نے دھیمے لہجے میں کہا کہ ایسے
لوگوں کے ساتھ ایسا رویہ ہی مناسب ہے پس اس سال کے آخر میں آپ نے
لاہور کو خیر باد کہا اور حوزہ علمیہ قم ایران چلے گئے پس سانحہ چہلم کے بعد گلگت میں
امامیہ سپریم کونسل گلگت کے نام سے ایک تنظیم بنائی گئی اور مجھے اس تنظیم کا سکریٹری
جنرل چنا گیا پس پردہ انتظامیہ کی کوششوں سے رفتہ رفتہ لوگوں کے گرم جذبات
ٹھنڈے پڑ گئے اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ علی محمد شہید چہلم کے قتل کیس میں

حکومت کے خلاف گواہی دینے والا کوئی فرد نہیں ملا اور اپنی نوکری بچانے کی خاطر لوگ پس پردہ چلے گئے بد قسمتی سے دار الخلافہ گلگت میں انتظامیہ کی طرف سے مذہبی مقدسات و عبادات کے خلاف یہ پہلا سخت اقدام اور بے جا قتل تھا مگر قوم کے دانشمند افراد کی بے حسی کی وجہ سے شہادت کی یہ اولین کہانی ختم ہوئی بعد از آن آغا موصوف کے دور میں جلوس اربعین کا راستہ باقاعدہ طور پر شہید کی قبر امپھری گلگت تک بڑھا دیا گیا جو غیر ضروری تھا اسیطرح امامیہ سپریم کونسل گلگت کی ناکامی کے بعد 1981ء میں امامیہ آرگنائزیشن پاکستان پشاور کی طرف سے جناب امداد حسین چغتائی صاحب گلگت آئے اور آئی۔او۔پاکستان کے دستور سے آگاہ کیا تو امامیہ سپریم کونسل گلگت کو اس فلاحی تنظیم آئی۔او میں ضم کر دیا اسیطرح گلگت میں امامیہ آرگنائزیشن کا قیام عمل میں آیا اور راقم کو اس فلاحی تنظیم میں بھی جنرل سکریٹری چنا گیا چونکہ یہ ایک غیر سیاسی فلاحی تنظیم تھی اس کو خاص پذیرائی ملی اور باقاعدہ طور پر اس کے 72 ممبر بن گئے تھے جو پورے سات مکسوہ کو بیدار کر سکتے تھے یہ تنظیم فعال ہوئی تبلیغی دورے جاری ہوئے اسیطرح جب حوزہ علمیہ قم کے تعلیمی تعطیلات میں آغا ضیاء الدین رضوی گلگت آئے تو گلگت کے اندر تبلیغی پروگراموں کے انعقاد کے ساتھ مرکز میں باقاعدہ نماز جمعہ کا اہتمام ہوا کیونکہ آغا میر فاضل شاہ نجفی نماز جمعہ نہیں پڑھا سکتے تھے امامیہ آرگنائزیشن گلگت کے ممبران خصوصاً حاجی حسین اکبر

مرحوم سید محبوب حسین رضوی سلیم رضا مرحوم اور راقم کی کوششوں سے گلگت کے بڑے علاقوں اور دیہاتوں کے تبلیغی دورے رکھے گئے اور آغا موصوف سے پورے سات مکسوہ کے دورے کرائے اسیطرح مستقبل میں آپ کی روحانی اور مذہبی قیادت کے لئے زمینہ فراہم کیا گیا اور ان دوروں کا سلسلہ جاری رہا اس کے ساتھ اتحاد امت مسلمہ کی کوششیں بھی جاری رہی آغا ضیاء الدین رضوی نے انقلاب اسلامی ایران کے ثمرات اور اثرات کو قریب سے دیکھا تھا نیز علماء اعلام اور اپنے اساتذہ کرام کے توسط سے انقلاب جمہوری اسلام ایران کے بارے میں معلومات کے بھی عالم تھے اور دل کی گہرائیوں سے فکر خمینیؒ کے معتقد و مقلد تھے اس لئے اس پیغام وحدت کی خصوصی ترویج کرتے تھے ربانی علماء اور مجتہدین کا یہ حکم ہے کہ وحدت مسلمین کو اہمیت دی جائے اور امام انقلاب خمینیؒ بت شکن نے فرمایا ہے کہ فقہی فروعی اختلافات کو ترک کیا جائے اور وحدت کلمہ کے برکات کے سایئے میں عالمی استکبار کے خلاف اتحاد کے ساتھ مقابلہ کیا جائے دنیا کی علمی سرعت رفتار کے اس دور میں کوئی شیعہ سنی کے نام سے فرعی فقہی اختلافات کی بات کرتا ہے وہ نہ شیعہ ہے اور نہ سنی وہ عالمی استکباری طاقتوں کا ایجنٹ ہے چونکہ آغا ضیاء الدین رضوی آپ کے مقلد تھے اور علاقے میں امن آشتی کی خاطر اس خدائی پیغام کی تشہیر کی خاص کوشش کرتے تھے بعض مقامی حضرات خصوصا میجر حسین شاہ صاحب کی مشاورت

سے دیوبندی مسجد گلگت کے خطیب اور سواد اعظم اہلسنت گلگت وکوہستان کے امیر قاضی عبدالرازق کو مرکزی مسجد گلگت میں دعوت دینا چاہا تو راقم نے مقامی حالات کے تناظر میں اس کی حمایت نہیں کی تھی لیکن سب نے متفقہ طور پر فیصلہ کیا اور قاضی صاحب کو دعوت دی گئی اور موصوف اپنے چند ساتھیوں کے ہمراہ جامع مسجد امامیہ تشریف لائے اس کے بعد آغا موصوف نے ابتدائی کلمات کے بعد وحدت المسلمین کی ضرورت پر بصیرت افروز روشنی ڈالی آخر میں قاضی صاحب کو موقعہ دیا گیا تو آپ موضوع سے ہٹ گئے اور ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد چائے پیئے بغیر چلے گئے وحدت مسلمین اور خطہ شمال میں امن وآشتی کے حوالے سے آپ کی فکر قابل ستائش تھی مگر آپ کی یہ کوشش بار آور نہیں ہوئی اسیطرح 1985ء تک آپ حوزہ علمیہ قم ایران میں زیر تعلیم رہے اور جید علماء واساتذہ کرام سے بھرپور کسب فیض کیا آپ کے خاص اساتذہ میں آیۃ اللہ وجدانی فخرؒ آیۃ اللہ اعتمادیؒ آیۃ اللہ حرم پناہیؒ اور آیۃ اللہ وحید خراسانی مدظلہ سر فہرست تھے اسیطرح علوم متداولہ اور سطحیات کے دوران آپ آیۃ اللہ العظمی شیخ محمد فاضل لنکرانی رحمۃ اللہ علیہ کے درس میں بھی شریک ہوتے تھے اس دوران مختلف ممالک میں مدارس دینیہ کے بانی اور حوزہ علمیہ جامع المنتظر لاہور کے پرنسپل محسن ملت علامہ سید صفدر حسین نجفی رحمۃ اللہ علیہ کا نظر انتخاب آپ پر پڑی کیونکہ آپ جامع المنتظر کا ہی پھول تھے اس لئے آپ کو اعزام

کرا کے اپنا مدرسہ امام المنتظر پرسٹن انگلینڈ بھیج دیا اسیطرح وہاں پر آپ درس و تدریس تبلیغ وترویج اسلام کے ساتھ جماعت و جمعہ کی امامت بھی کراتے تھے مگر آپ کا روحانی ذہن اس مغربی تہذیب و ماحول کی رنگینیوں سے مطمعن نہ تھا اسلئے اعزام کے سال پورے کیئے بغیر سرزمین علم وروحانیت قم ایران واپس ہوئے اور وہاں چند ماہ درس کا ایک دورہ کر کے وطن مالوف گلگت پاکستان واپس ہوئے پاکستان میں آنے کے بعد اپنی شریک حیات کی بیماری اور بےوقت موت سے آپ کو بڑا صدمہ پہنچا چنانچہ بغیر ماں کے چھوٹے بچوں کی تعلیم وتربیت ضعیف والدہ کی خدمت اور خطہ شمال گلگت کے حالات نے آپ کی سوچ پر دباؤ ڈالا اور قدموں میں مجبوری کی زنجیر ڈالدی اگرچہ 1989 میں شیخ محمد حسین علوی نے آپ کو دعوت دی تھی کہ آپ جامعۃ الشہید پشاور میں درس وتدریس کرے اس دعوت پر آپ نے مزکورہ بالا مشکلات اور پریشانیوں کا تذکرہ کیا مگر غور کرنے کا عندیہ بھی دیا تھا چونکہ شریک حیات کی موت اور سانحہ 1988ء کے بعد کے حالات اور قائد شہید سید عارف حسینی الحسینی رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت نے آپ کے حساس ذہن کو مغمحل کردیا تھا اس لئے گومگو کے عالم میں تھے اس دوران جناب سید فاضل حسین موسوی نجفی شیخ غلام حیدر نجفی شیخ مہربان علی نجفی مرحوم کے علاوہ بعض احباب کے اصرار پر آپ نے اپنی جاری تعلیم کو چھوڑ کر گلگت میں ہمیشہ کے لئے رہنے کا حتمی فیصلہ کیا اسیطرح

آپ گلگت میں آباد ملت تشیع کے پریشان حال لوگوں کے لئے ایک حوصلہ مند سہارا بن گئے اور آپ کی روحانی اور مذہبی قیادت سے ستائی ہوئی ملت کو حوصلہ ملا اور آپ کے وجود سے شیعہ مرکز گلگت میں جان آئی اور ایک نوجوان عالم اور غیر سیاسی قیادت قوم کو مل گئی اسی طرح سات مکسوہ گلگت کے مومنین نے بھی آپ سے عقیدت ومحبت کی انتہا کردی کیونکہ آپ کے خاندانی پس منظر کی بدولت بھی آپ سے لوگ محبت کرتے تھے اور خود آپ کی غیر سیاسی طرز ادا سے عوام الناس کے دلوں میں عقیدت واحترام کا ایک خاص جذبہ پیدا ہوا تھا۔لہٰذا اس عقیدت مندی کی وجہ سے بعض نادان یا خوش آمدی لوگ آپ کو پاکستان کی قیادت کے لئے سب سے زیادہ اہم سمجھتے تھے بالاخر سیاسی جفادریوں کو آپ کی مذہبی اور روحانی مقام نے حسد میں ڈالدیا اور حاسدوں نے مختلف انداز میں دل میں چھپا ہوا حسد وکینہ بروے کار لانے کی کوشش کی اور آپ کو مذہب کے نام پر سیاست کے میدان میں اتارنے کی سازش کی تاکہ سیاسی پارٹیوں میں بٹی ہوئی قوم کو یہ باور کرایا جائے کہ یہ سیاسی بندہ ہے اسیطرح مختلف پارٹیوں میں تقسیم قوم کے دلوں سے آپکا احترام کم کیا جاسکے اس لئے آپ کی غیر موجودگی میں آپ کو تحریک جعفریہ پاکستان شمالی علاقہ جات کا صدر بنایا گیا یہ فقط میری ہی نہیں مخلص لوگوں کی بھی یہ رائے تھی کہ آپ کا مقام اور روحانی منزلت اس عہدہ صدارت سے بہت اونچی تھی لہٰذا حج سے واپسی کے بعد عقیدت

مندوں کے جذبات کے پیش نظر اس سیاسی ذمہ داری سے انکار کرنا چاہیے تھا مگر ایسا نہیں کیا گیا بعد میں حالات نے سیاست کی طرف یکطرفہ رخ کیا تو جان گئے آخر تنگ آکر تین مرتبہ گلگت سے چلے جانے کا فیصلہ کیا تھا مگر آپ کو روکا گیا سیاست بذات خود کوئی بری چیز نہیں ہے مگر ارباب سیاست ابلیس کے چیلے ہوتے ہیں دین کی خدمت کا جذبہ کم اور ذاتی مفاد کو مقدم رکھا جاتا ہے اگر سیاست کو مذہب اسلام کا تابع رکھا جائے تو سیاست مدن ایک طرح کی عبادت ہے مگر اکثر لوگ اپنی سیاست وقیادت کی خاطر دین اسلام اور مذہب کو غلط استعمال کرتے ہیں اسیطرح سیاست زاتی مفاد کی نذر ہو جاتی ہے خصوصاً اس خطہ بے آئین شمالی علاقہ جات میں مذہب کے نام پر سیاست کرنا اپنی جوٹھی انا کو تسکین پہنچانا ہے اور خصوصاً علماء کرام کے لئے ایسی بے مقصد سیاست غیر ضروری اقدام ہے کیونکہ گزشتہ ساٹھ سالوں سے یہ وفادار قوم پاکستان کے ساتھ نکاح دائمی کے بغیر زندگی کے دن رات گزارتی ہے اور آزاد قوموں کی زندگی میں یہ سب سے بڑی بری زندگی ہے اور اس بے آئین زندگی میں آنکھیں بند کر کے خاموش رہنا یا مذہبی گروپ بندی کی صورت میں بات کرنا دانشمندی نہیں خود غرضی ہے اور خود غرضی انسانیت کے لئے سب سے بڑا عیب ہے اور خود غرضی کی صفت انسانی وقار کو مجروح کرتی ہے

مذہبی قیادت

خداوند عالم کی اس کائنات میں دنیا بھی ہے اور عقبیٰ بھی لیکن دنیا ہر ذی روح مخلوق کے لئے چند گنے چنے ماہ وسال کا دائرۃ الوجود کا ایک سلسلہ ہے اس لئے عقباء کی ابدی زندگی کو کامیاب و کامران بنانے کے لئے مذہب ہی ایک واحد راستہ اور سہارا ہے اور اپنے خالق و مالک سے رشتہ استوار کرنے کے لئے اسی مذہب یعنی راستہ کے توسط سے انسان اپنی معیار معرفت کے مطابق عقبا میں مقام ومنزلت اور نجات کے حقدار ہوتا ہے اور اسی معیار معرفت وعلم کے مطابق انسان اپنے پروردگار کی رضا حاصل کرتا ہے چنانچہ علم ومعرفت اور بندگی وتابعداری خالق ایک بدیہی امر ہے اور دنیا کی مخلوق کسی نہ کسی انداز میں اپنی اصلی عقباء کی جانب لوٹ کر جانے کا حتماً پابند ہے اس لئے اسی نظام کائنات میں معیار معرفت اور طریق بندگی و عبادت کے حوالے سے انسان کو فہم وادراک اور علم ومعرفت اور محنت شاقہ کے مطابق اس کو دنیا میں بڑھائی اور آخرت میں نجات کی ضمانت فراہم ہوگی اسی طرح فلسفہ قرآن وسنت کے مطابق رحمان ورحیم خالق ومالک کی طرف سے انسان علم و حکمت کی بخشش وعطا کی بدولت بڑی منزلت کا اعلیٰ مقام پالیتا ہے اور میں نے اپنی کتاب کمال انسانیت میں اس موضوع پر نظر ڈالنے کی کوشش کی ہے اور اگر انسان

اسی علم وحکمت کے توسط سے صحیح معرفت حاصل کر لے تو ایسے انسان کو قیادت دنیا، اور عقباء میں زندگی جاوید بن جاتی ہے چنانچہ قرآن وسنت کی روشنی میں علم اور علماء کی فضیلت وافضلیت کا ذکر خاص بڑے واضح انداز میں ہوا ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے اِنَّمَا یَخۡشَی اللّٰہَ مِنۡ عِبَادِہِ الۡعُلَمٰٓؤُا بیشک اللہ کے بندوں میں علماء ہی خوف خدا رکھتے ہیں اور اسیطرح احادیث مبارکہ میں ربانی علماء کی بزروگی وعظمت اور ان کی خدمات کا بڑے واضح تفصیل سے ذکر ہوا ہے اور حدیث نبویؐ ہے مِدَادُ الۡعُلَمَاءِ اَفۡضَلُ مِنۡ دِمَاءِ الشُّھَدَاءِ علماء کی سیاسی شہیدوں کے خون سے افضل ہے ایک اور حدیث مبارکہ میں ارشاد ہے کہ عُلَمَاءُ اُمَّتِی کَاَنۡبِیَاءِ بَنِی اِسۡرَائِیۡل میری امت کے علماء کی مثال انبیاء بنی سرائیل کی طرح ہے اور اسی طرح علماء کرام میں بھی ان کا علم وحکمت کی معیار ومقدار کے حوالے مدارج مقرر ہیں اور اسی معرفت وحکمت کے حوالے سے ایسے علماء کے لئے نام بھی مقرر ہیں مگر لوگ عام طور پر ہر ایک کو علماء کہتے ہیں اگر چہ وہ اپنے فن اور شعبے کے حوالے سے عالم کہلا سکتے ہیں لیکن علم دین کے حوالے سے مذہبی قیادت کا ایک خاص منفرد مقام ہوتا ہے اور اسی مقام ومنزلت کے تناظر میں اس قیادت کی ایک خاص ذمہ داری ہوتی ہے چنانچہ ہر کس وناکس کو عالم کہنا درست نہیں ہے اگر چہ عوام الناس کے مقابلے میں ایک معمولی نام کے عالم کو بھی لوگ قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں کیونکہ لوگ مذہب اسلام کے حوالے سے

ساری زمہ داری اور نمبرداری فقط اس عالم کے کاندھوں پر ڈالدیتے ہیں اور اپنے آپ کو اس کام سے بری الزمہ قرار دیتے ہیں مگر یہ انداز فکر بالکل غلط ہے کیونکہ دین ومذہب کے واجبات وفرائض اور مستحبات سب پر لازم ہیں اسی طرح جہاں دین اسلام کی باتوں میں مذہبی قیادت کی خاص زمہ داری ہوتی ہے وہاں سیاست مدن میں بھی ان کے فرائض منصبی مقرر ہیں جبکہ عام لوگ سیاست کے نام پر علماء کو متہم کرتے ہیں کہ علماء سیاست میں کیوں آتے ہیں اور یہ انداز فکر علماء کی غلطیوں یا عوام کی کم علمی کی بدولت پیدا ہوا ہے بقول شاعر مشرق

جدا ہو دین سیاست سے تو رہ جاتی ہے چنگیزی

چونکہ ربانی علماء سیاست مدن اور سیاست دنیا کو انبیاء کا ورثہ سمجھ کر انجام دیتے ہیں کیونکہ ربانی علماء وارثان انبیاء ہیں اس لئے علماء حق دین اسلام کے اصول وقوانین کو سیاست عامہ پر فوقیت دیتے ہیں اور ایسی سیاست کو الٰہی سیاست کہتے ہیں مگر اب الٰہی سیاست کا کہیں اتہ پتہ نظر نہیں آتا ہے جب کہ سیاست مدن اور سیاست عالم کے قوائد وشرائط اور خاص قدریں موجود ہیں مگر عام لوگ اور سیاست دان کہتے ہیں کہ سیاست کا کوئی قبلہ وکعبہ نہیں ہے اور یہ غیر اخلاقی نظریہ بھی درست نہیں ہے۔

مگر ملک وملت کی قیادت کرنے والے سیاسی جغادری ہوں یا مذہبی

قیادت کے علاوہ اپنا سیاسی قبلہ بار بار تبدیل کرتے ہیں اور اس غیر اخلاقی روش کی بدولت عوام الناس سیاست دانوں سے بدظن ہو کر نفرت کرنے لگ جاتے ہیں کیونکہ قیادت کی طوطہ چشمی سے ملت میں مایوسی اور انار کی پھیل جاتی ہے اور اسی طرح کی سیاست کی بدولت قیادت کی حیثیت داغدار ہو جاتی ہے اس لئے مذہبی قیادت کو ترجیہی بنیادوں پر اس قسم کی باتوں سے باز رہنا چاہیے یعنی دروغ گوئی غیبت نخوت دغرور حسد وکینہ اور لالچ جیسے خصائل ازیلہ سے بچنا چاہیے اسی طرح قیادت کی صفات حمیدہ میں حلیم الطبع نرم خو نرم گفتگو خلوص ہمدردی شخاوت وشجاعت شامل ہیں دروغ گوئی سب سے بڑا عیب ہے اگرچہ دروغ مصلحت آمیز ہی کیوں نہ ہو اور بار بار قسم اٹھا کر یقین دلانے کی کوشش کرنا بھی معیوب ہے اور گفتگو میں متانت اور صاف گوئی ہو اور عام مناظرانہ گفتگو سے پرہیز کرنا چاہیے کیونکہ صاحب محراب ومنبر کو عام سیاسی قیادت کے مقابلے میں بہت زیادہ احتیاط سے کام لینا چاہیے چنانچہ مناظرانہ انداز بیان سے لوگوں کے جذبات مشتعل ہو جاتے ہیں کیونکہ مذہبی عقیدت مندی کی وجہ سے لوگ زیادہ حساسیت کا شکار ہو جاتے ہیں چونکہ انسان کی زبان کی مثال کمان کی طرح ہے پس کمان سے نکلا ہوا تیر پلٹ کر نہیں آتا ہے اسی طرح زبان سے نکلی ہوئی بات بھی واپس نہیں ہو سکتی اس لئے مذہبی قیادت کا کمال اپنی زبان کے تیر کو کمان میں رکھنا ہے تا کہ کسی فرد یا کسی مکتب فکر کی

دل آزاری نہ ہو محافل و مجالس کے دوران جذباتی لوگ یا خوش آمدی کرنے والے بے محل نعرہ بازی کرتے ہیں یا غیر ضروری طور پر رقعہ بازی سے کام لیتے ہیں اسی طرح مذہبی قیادت کو جوش دلا کر اس کے جذبات ابھارنے کی کوشش کرتے ہیں اور اسیطرح محفل و مجلس کے مقاصد کو مسموم بناتے ہیں مناظرانہ گفتگو سے سنجیدہ لوگوں کو دکھ ہوتا ہے اور لوگوں کے جذبات کو ٹھیس لگتا ہے اور اس طرز بیان سے معاشرتی خرابی کے علاوہ مذہبی قیادت کی حیثیت بھی داغدار ہو جاتی ہے اسی طرح طعام و قیام لباس و ادا میں بھی اعتدال سے کام لینا چاہیئے اک دفعہ کا واقعہ ہے کہ راقم کے ہاتھ میں ایک ریڈیو تھا استاد محترم سید محمد عباس حسینی المعروف آغا برمس مرحوم نے بطور نصیحت مجھ سے فرمایا ایسی عام چیزوں سے ترک تعلق کرو کیونکہ لوگ بعد میں ان عام چیزوں کو بھی موضوع بحث بناتے ہیں اسی طرح 1994ء کے انتخابات کے دوران الیکشن کمپین چل رہا تھا شہید ضیاء الدین رضوی پھکر نگر کے دورے پر گئے ہوئے تھے اور اس دوران خلاف معمول نظر کی عینک کی جگہ کالی عینک لگا رکھی تھی بعد میں ایک خاص اہم شخص نے کہا کہ سیاست و قیادت کی وجہ سے آغا میں نخوت و تکبر آیا ہے اس لئے اب سیاہ شیشوں کی عینک لگانا شروع کیا ہے جب کہ اس دوران آپ کی آنکھو میں تکلیف تھی اور اسیطرح استاد بزرگوار حجۃ الاسلام آغا میر فاضل شاہ نجفی جو سات مکسوہ میں عادل سید کے نام سے مشہور و معروف تھے چند لوگوں کو آپ کی لمبی

نماز اور زیادہ خوارک پر اعتراض تھا کیا یہ بھی کوئی قابل اعتراض بات ہے کیونکہ عوام الناس کو مذہبی قیادت کی چھوٹی سی چھوٹی بات بھی معیوب لگتی ہے اور اسیطرح معاشرے میں ہر نئی چیز اور ادا عام لوگوں کو عجیب لگتی ہے اور انجانے کی وجہ سے باتیں بناتے ہیں چنانچہ مرکزی جامع مسجد امامیہ گلگت میں منظم طور پر باقاعدہ نماز جمعہ کا اہتمام ہوا انقلاب اسلام ایران کے ثمرات واثرات کے تناظر میں آغا ضیاء الدین رضوی نے کئی جمعے کلاشنکوف ہاتھ میں اٹھا کر خطبہ جمعہ دیا کرتے تھے اس دوران لوگ ہم منتظمین سے سوال کرتے تھے کہ رسول اسلام کے زمانے میں بندوقیں تو نہیں تھیں کہ آج بطور سنت جائز ہوتا بعد میں آپ بارہ بور کی بندوق خطبہ جمعہ کے دوران ہاتھ میں رکھتے تھے چونکہ انقلاب اسلامی ایران کے بعد جب عراق ایران کی جنگ چھیڑ دی گئی تو اس دوران جنگ کے مختلف محاذوں پر نماز جمعہ کے دوران ائمہ جمعہ ہتھیار ہاتھ میں لیکر خطبہ دیا کرتے تھے اور مستند تواریخ سے بھی یہ بات واضح ہے کہ شیر خدا حضرت علی علیہ اسلام حالت جنگ کے دوران خطبہ جمعہ تلوار ہاتھ میں لیکر ارشاد فرماتے تھے اور بعض نے کہا ہے آپ خطبہ کے دوران ذوالفقار کو لہراتے ہوئے خطبہ دیا کرتے تھے پس ہم نے آغا سے بطور اعتراض اس واقعہ کا ذکر کیا کہ کیا ہم حالت جنگ میں ہیں اس پر آپ نے عصا ہاتھ میں لیکر خطبہ دینا شروع کیا پھر اسیطرح 1984ء میں آپ نے مرکزی جامع مسجد امامیہ گلگت میں خطبہ

جمعہ کے دوران اعلان کیا کہ فلسفہ ولایت فقیہ کی روشنی میں سب لوگ رح اللہ امام خمینیؒ کی طرف رجوع کریں یعنی آپ کی تقلید کریں اور دیگر مراجع کی تقلید کو ترک کریں دوسرے دن اصلاحی تبلیغی دورے پر فرفوح بگروٹ گئے بگروٹ میں جا کر دوران گفتگو میں نے کہا آپ نے امام خمینیؒ کی طرف رجوع کرنیکا پیغام دیا جب کہ شمالی علاقہ جات میں اکثر لوگ سید ابوالقاسم خوئی کے مقلد ہیں ایک اعلم مجتہد کی تقلید توڑ کر دوسرے اعلم کی طرف رجوع کرنے کے شرائط کیا ہیں لوگوں کو علم نہیں بلکہ مسئلہ تقلید سے بھی عام لوگ اچھی طرح واقف نہیں ہیں آپ مجتہد اعلم کی توضیح کریں کہ امام خمینیؒ سب سے اعلم ہیں اور رجوع کرنیکا طریقہ اور شرائط بھی بتادیں ورنہ اس اعلان سے عام مقلدین گومگو کے عالم میں پریشان ہونگے اور آپ کی مسئولیت میں اضافہ ہوگا اس کے بعد آپ نے کبھی اس موضوع کو کھلے عام بیان نہیں کیا مراجع تقلید معدودے چند ہیں ان کے فتویٰ سے ہٹ کر کوئی عالم اپنی رائے نہیں دے سکتا ہے اور احکام خداوندی کے عبادی اعمال اور سیاسی احکام کو ائمہ معصومینؑ کے احکام کی روشنی میں ان ذوات مقدسہ کی علمی زندگی کے تناظر میں انجام دینا چاہیے اس حوالے سے کسی مومن کو صحیح مشورہ دینا بھی صدقہ ہے اور اس لئے مذہبی قیادت کو جذباتیات سے آزاد ہو کر نرم خو اور نرم گفتگو کے انداز میں ابلاغ و تبلیغ کرنا چاہیے کیونکہ مذہبی قیادت کی باتوں کو لوگ دل نشین کر لیتے ہیں اس لئے قیادت اپنے

آس پاس اِدھر اُدھر اور آگے پیچھے دیکھ کر بات کرے تاکہ کوئی غیر ضروری شخص یا کوئی منافق فرد قیادت کی حرکات وسکنات سے غلط فائدہ نہ اٹھا سکے۔

انجمن امداد المسلمین حلقہ نمبر 3 گلگت کے پچھے رکنی وفد نے آغا ضیاء الدین رضوی سے ان کے در دولت پر ملاقات کی اور انجمن کے مسائل کے حوالے سے مذاکرات کیلئے اس گفتگو کے بعد آغا موصوف نے خود دیگر علاقائی مسائل کے نو پورہ گلگت کے متنازعہ مجلس عزا اور اس بارے میں پیش آنے والے مسائل اور رکاوٹوں کے بارے میں اراکین انجمن کو آگاہ کیا تو اس دوران راقم نے بہت سخت الفاظ میں آپ کو بہت سخت ست کیا اور بتایا کہ مجلس عزا کے انعقاد کا مقصد بطور ابلاغ وتبلیغ اور فلسفہ شہادت امام حسینؑ کی ترویج کرنا ہوتا ہے اگر کوئی فقط آپ کی مخالفت میں آپ سے ذکر حسین علیہ السلام نہیں سننا چاہتا ہے تو یہ ضروری ہیں کہ آپ خود جا کر وہاں زبردستی تقریر کریں تبلیغ اور ترویج شہادت امام حسینؑ کی خاطر مجلس پڑھنے کا متبادل بندوبست بھی کیا جا سکتا تھا کیونکہ مذہبی قیادت کی یہ اخلاقی ذمہ داری ہوتی ہے کہ ملت مسلمہ کے اندر موجود نادان اور متعصب افراد کی اس روش کو نظر انداز کر کے وحدت مسلمین کی جانب قدم اٹھانا چاہیئے میں نے کہا آپ کا صرف یہ کام نہیں کہ ایک جگہ مجلس پڑھے ایک جگہ نوحہ خوانی کرے اور دوسری جگہ سینہ زنی کرائے آپ کے ہاتھ میں قیادت ہے کسی اور خطیب کو بھجدتے تاکہ یہ تعصب اور

ضد بازی ختم ہو جاتی اسیطرح آنے والے کل کے لیئے وہ خود ہی راستہ ہموار کر کے آپ کو خود دعوت دیں اس پر آغا موصوف نے کہا میں بھی نہیں جانا چاہتا تھا نیز بعض احباب نے بھی یہی رائے دی تھی مگر اس دوران انتظامیہ کی طرف سے ایک چٹھی آئی کہ آپ مجلس پڑھنے کے لئے نو پورہ نہ جائیں حالات خراب ہونگے پس اس بات پر مجھے غصہ آیا اس لئے راستہ تبدیل کر کے دوسرے راستے سے میں وہاں گیا اور مجلس عزا سے خطاب کیا اس پر میں نے کہا کہ کیا آپ کو یہ پتہ چلا کہ وہ چھٹی کیوں لکھی گئی تھی اور کس کی ایماں پر لکھی گئی تھی اس جملے پر آپ نے داڑھی کھجاتے ہوئے اراکین کے سامنے اقرار کیا کہ میں جذبات میں آیا تھا اسی طرح اندرونی اور بیرونی لوگوں کے ذریعے آپ کو مجلس کے نام پر غیرت دلائی گئی چونکہ مخلص دوست اور احباب کو آپ کی عزت نفس اور آپ کی سلامتی عزیز تھی مولائے کائنات کا فرمان ہے **مَن نَظَرَ فِي الْعَوَاقِبِ سَلِمَ** جو نتائج کی فکر کرتا ہے وہ سالم رہتا ہے۔

کائنات میں مذاہب کی دنیا میں صاحبان محراب و منبر مذہبی قیادت کا ایک خاص تقدس ہوتا ہے۔ اور تقدس اور مقام و منزلت کی بقاء کی خاطر ہر غیر ضروری فکر اور نادان لوگوں کی اچھی اور بری باتوں کو نظر انداز کیجانی چاہیئے کیونکہ مذہبی قیادت اس روحانی مقام و منزلت پر فائز ہونے کے بعد اچھی طرح سوچنا چاہیئے کہ تبلیغ وارشاد کے مواقوں پر کسی فرد یا جماعت کی عمداً دل آزاری نہ ہونے پائے تاکہ مقصد تبلیغ پورا

ہو کیونکہ زمانے کے حالات کی روشنی میں اور وقت کی نزاکت کے پیش نظر مناظرانہ انداز بیان سے ہٹ کر اخلاق حسنہ کے ساتھ حکمت و دانائی کی روشنی میں بات کیجائے تاکہ نادان اور متعصب لوگوں کو منوایا جاسکے اور یہی قرآن وسنت کا لائحہ عمل ہے اور یہی انبیاء کا سبق اور معصومین علیھم السلام اور اللہ کے نیک بندوں کا وغیرہ اور انداز بیان رہا ہے اور اسی طرح نعرہ بازی اور ردعہ بازی کے مقاصد اور اسرار ورموز سے باخبر ہو کر عوام میں گفتگو کیجائے بد قسمتی سے خطباء نے جذبات میں آکر ایسا طریقہ اپنایا ہوا ہے اور آئندہ بھی یہ غیر دانشمندانہ طریقہ کار ہوتا رہیگا پس مذہبی قیادت کو ان غیر ضروری باتوں کا خصوصی طور پر خیال رکھنا چاہئے چونکہ علماء اور صاحبان محراب ومنبر کی باتیں عوام الناس کو خوش بھی کر سکتی ہیں اور ناخوش بھی لہٰذا جو باتیں فلسفہ اصول اخلاق اور معاشرتی تہذیب کے مطابق نہ ہوں تو ایسی باتوں سے اجتناب کرنا چاہئے اگرچہ دنیا کی اس عرضی زندگی میں ہر انسان کو اپنی ایک ذمہ داری ہوتی ہے لیکن علماء اور مذہبی قیادت کو اس خاص ذمہ داری کی ادائیگی کے لئے انبیاؑ اور ائمہؑ اور علماء کی سیرت ان کے ارشادات اور عملی پہلوؤں کو مدنظر رکھ کر بات کرنا چاہئے اور مکتب اہلبیتؑ میں ثقافت جعفریہ کی روشنی میں ابلاغ وتبلیغ کرنا اولین ہدف ہے اور سیرت ائمہؑ کو اپنی زندگی کا اساس قرار دیکر اس کی روشنی میں عمل کیا جائے تو ایسی زندگی سعادت اور موت شہادت ہوگی چونکہ معصومؑ کا فرمان ہے من

مَاتَ عَلٰی حُبِّ آلِ مُحَمَّدٍ مَاتَ شَهِیْداً جو آل محمد کی محبت میں مرا وہ شہید کی موت مرا اور محبت سے مراد سیرت ائمہؑ پر عمل کرنیکا نام ہے اور اسی طرح ان ذوات مقدسہ کی محبت یعنی ان کی پیروی انسان کو مقام شہادت وسعادت تک پہنچاتی ہے چونکہ انسان کی زندگی اور زندہ رہنے کا مقصد رضا خالق کی خاطر اس کی بندگی کرنا ہے اور آپ کی بندگی سے زندگی اور موت مکمل ہوگی اور اسی موت کو شہادت فرمایا گیا ہے۔ لفظ شہید اور شہادت میں ایک وسیع علمی موضوع پوشیدہ ہے مجھ جیسا جاہل انسان بھی اس موضوع پر کافی کچھ لکھ سکتا ہے اور یہاں موقعہ محل نہیں ہے مگر عام لوگ اس وسیع موضوع کو سطحی انداز میں پیش کرتے ہیں اور مختلف انداز میں متعارف کرانے کی کوشش کرتے آئے ہیں مگر حقیقت میں یہ کوئی آسان موضوع نہیں ہے کہ ہر کس وناکس کے لئے شہید بولا جائے اور ہر ایک اس موضوع کو سمجھے۔

شہید ضیاء الدین رضوی رحمۃ اللہ علیہ کی شہادت کے بعد ایک خاص عقیدت مند کے مالی تعاون سے مرکزی انجمن امامیہ کی طرف سے ایک اشتہار چھاپا گیا تھا اور اس میں آپ کو سید الشہداء کا خطاب دیا گیا تھا یہ خطاب عقیدت مندی کے نام سے احادیث نبویہ اور تاریخ اسلام میں تاویل کی جسارت ہے اور یہ خلاف واقعہ ہے راقم نے سید الشہداء کے اس خطاب پر اعتراض کیا تو کچھ غیر متعلقہ لوگوں نے غیر ضروری تاویلات کی کوشش کی تو میں نے خفگی کا اظہار کیا اگر لوگوں کو اتنی

ضروری ہے تو سید اشہداء گلگت کہہ سکتے ہیں یعنی گلگت کی سرزمین میں بے گناہ مارے جانے والوں کا سردار ہو سکتا ہے کیونکہ زبان رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یعنی احادیث نبویہ اور فرامین معصومین علیہم السلام اور تاریخ اسلام میں فقط دو نام سید الشہداء کے لقب سے سرفراز ہوئے ہیں ان میں حضور کا چچا حضرت حمزہ علیہ السلام سید الشہداء ہیں اور نواسہ رسول حضرت امام حسین علیہ السلام سید الشہداء ہیں اور قیامت تک ان دو کے علاوہ کسی اور کو سید الشہداء کا خطاب نہیں دیا سکتا ہے کیونکہ اس قسم کی غیر ضروری عقیدت مندی سے احادیث نبویہ اور فرامین معصومین نیز تاریخ اسلام کی روشن حقائق کو نظر انداز کرنے کے مترادف ہے ضیاء الدین الشہید دین اسلام اور ثقافت جعفریہ کی بقاء کی خاطر قربان ہوئے ہیں اس دنیائے فانی میں زندہ رہتا تو پھر بھی اس نے مرنا تھا مگر شہادت کی سعادت نصیب نہ ہوتی ہم ضیاء الدین شہید کی سیرت کو بھول گئے ہیں اور صرف آپ کے نام سے اپنی سیاسی اور مذہبی دکان چمکانے کی کوشش میں مصروف ہیں آپ کے نام کے سینہ زنی کے کیسٹ اور تصاویر سے استفادہ تو کرتے ہیں مگر آپ کی طرف سے قائم کردہ نصب العین کو نظر انداز کیا ہوا ہے اور اس قسم کے جذباتی کاموں سے فائدہ کچھ بھی نہیں ہوگا مگر نقصان زیادہ ہو رہا ہے اور لوگ اصل اہداف سے دور ہو رہے ہیں۔

ثقافت جعفریہ کے ماننے والے چودہ سو سال سے ظالم حکومتوں اور ان

کے نمک خوار محدثین و مورخین کو کوستے رہتے ہیں کہ لفظ امیر المومنین زبان رسالت مآب ﷺ سے فقط حضرت علی ابن ابیطالب علیہم السلام کے لئے مختص ہوا تھا اس لئے ثقافت جعفریہ میں باقی ائمہ معصومین میں کسی کو امیر المومنین کا لقب استعمال نہیں کرتے مگر دنیاداروں نے اس لفظ کو ہر ایک کے لئے عام کر دیا ہے جسکی وجہ سے یہ خطاب ہر کس و ناکس کے لئے استعمال ہو رہا ہے اور ثقافت جعفریہ کے روشن اصولوں میں اس قسم کے غیر ضروری باتوں سے روکنے کے لئے خصوصی توجہ دی گئی ہے اور اس لئے کسی بھی صالح عالم دین یا مذہبی قیادت سے عقیدت رکھنا اس کی عملی کردار کی روشنی میں اس عالم دین کا تقویٰ اور خلوص نیت اور خدمات کا خدائی صلہ ہوتا ہے مگر اظہار عقیدت کا طریقہ قرآن وسنت اور تاریخ اسلام کے مسلمہ اصولوں سے ہم آہنگ ہونا چاہیے ورنہ ایسی عقیدت مندی بدعت سیہ بن جائیگی چنانچہ دنیا کی معاشرتی زندگی میں قیادت سے تعلق اور وفاداری نیز مرکز سے بھرپور تعاون دین اسلام کی ترویج اور تہذیب معاشرہ کی تکمیل کی خاطر بہت ضروری ہے تاکہ دین اسلام اور سیاست مدن کے نام سے یہ قافلہ اپنے اصلی مرکز کی طرف لوٹ کر آجائے اسی طرح دین اسلام کا یہ ثقافتی کاروان اپنے حقیقی قافلہ سالار قائم آل محمد حضرت حجت ابن الحسن امام محمد مہدی عجل اللہ تعالیٰ فرجہ کے ظہور و خروج تک باہم مربوط انداز میں جاری وساری رہے اور اسیطرح دنیا کی مذہبی ثقافت میں معصوم کے بعد

مذہبی قیادت کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم مجتہد اعلم یعنی مرجع تقلید کی ذات بابرکت ہے
اور دوسری قسم صاحب نظر مخلص و متقی علماء کی ہے اور یہی مخلص اور دیندار علماء نہایت
دیانت داری کے ساتھ مراجع تقلید مجتہدین کے فتاوی نقل کر کے ان کے مقلدین کی
تکوینی اور تشریعی امور میں ان کی رہبری وراہنمائی کرتے ہیں چونکہ امور تکوینی دنیا
کا جغرافیہ اور دستور العمل کو مد نظر رکھ کر انجام دیا جاتا ہے اور امور تشریعی یعنی دین
اسلام کے عبادی احکام تکوینی کے پابند نہیں ہیں کیونکہ شریعت محمدیہ کا دستور العمل
قرآن وسنت کے قوانین ساری دنیا کیلئے منارہ نور ہیں لہذا علماء کرام نقل فتوا میں
مراجع عظام کی تقلید کو مد نظر رکھ کر راہ نمائی کرے بحیثیت شیعہ اثنا عشری تقلید مجتہد اعلم
واجب ہے اور تقلید مجتہد اعلم کے بغیر اس کا ہر عمل باطل ہوگا اس لئے مکتب اہلبیت
میں امور تشریعی کے احکام میں اپنے مرجع تقلید کے حکم کے مطابق عمل خیر انجام دینا
ہوگا اگر کوئی مذہبی قیادت مجتہد اعلم کے فتوی سے ہٹ کر حکم کرے تو ایسا حکم قبول نہیں
کیا جا سکتا ہے کیونکہ امور تشریعی میں ہر مقلد اپنے مرجع تقلید کا تابع ہوتا ہے چنانچہ
قیادت کا حکم تشریعی یا فتوی قابل مسموع نہیں ہے کیونکہ مذہبی قیادت بھی احکام دین
کے حوالے سے مجتہد جامع الشرائط کی محتاج ہوتی ہے اور ثقافت جعفریہ میں ہر ایک کو
اپنی طرف سے فتوی دینے کا حق نہیں ہے اور اگر کوئی عالم یا مذہبی قیادت ایسا کرے
تو یہ قیاس اور تفسیر بالرائے ہوگی اور یہ طریق کار مکتب اہلبیتؑ کے خلاف ہے کیونکہ

دین اسلام کے احکام کو جاری کرنے کے لئے مطلوبہ معیار علم اور تقویٰ شرط ہے مگر آج مکتب اہلبیت اور ثقافت جعفریہ کے روشن اصولوں کی موجودگی کے باوجود ہر شخص عالم اور فقیہ بن جاتا ہے دنیا میں انسان علم یا معلومات کا آدمی ہوتا ہے کیونکہ علم الگ صفت ہے اور معلومات کا ہونا الگ بات ہے چنانچہ علوم متداولہ میں مہارت کے بغیر اپنی عام معلومات کی روشنی میں اپنی طرف سے فتویٰ دینا جائز نہیں ہے مگر آج جدید دور کی علمی سرعت رفتار نے ہر شخص کو مفت کا مفتی بنا دیا ہے اور اس روش کو ترک کرنا چاہئے تاکہ ثقافت جعفریہ کی بدنامی نہ ہو اور ہر خطیب کو سوچ سمجھ کر بات کرنا چاہئے کیونکہ عوام الناس نام کے حوالے سے اس عالم کی بات کو جلد قبول کر لیتے ہیں اور لاعلمی کی وجہ سے اس کو فتویٰ جانتے ہیں امام علی علیہ السلام کا فرمان ہے اَعۡقَلُ النَّاسَ اَنۡظَرَهُم فِی العَوَاقِبِ دانا ترین انسان وہ ہے جو نتائج کی سب سے زیادہ فکر کرے۔

تعمیر ملت

جناب حجۃ السلام آغا میر فاضل شاہ نجفی گزشتہ چالیس سال سے مرکزی جامع مسجد امامیہ گلگت کے امام راتب تھے۔ مگر آپ نماز جمعہ نہیں پڑھاتے تھے اس لئے آغا ضیاء الدین رضوی اپنی تعلیمی تعطیلات کے دوران گلگت آتے تو نماز جماعت کے ساتھ نماز جمعہ بھی پڑھاتے تھے اسی طرح 1985 کی تعلیمی چھٹیاں گزار کر گلگت سے قم ایران واپس ہوئے تو امام راتب آغا میر فاضل شاہ نجفی کے حکم سے جناب حجۃ الاسلام سید عباس علی شاہ حسینی نجفی مدظلہ نے مرکزی جامع مسجد امامیہ گلگت میں نماز جماعت و جمعہ کی امامت کرانا شروع کیا آپ نجف اشرف کے پڑھے ہوئے ہیں علم اور فن خطابت میں اپنا ایک مقام رکھتے ہیں مگر بچوں کی کفالت کی خاطر حکومتی تعلیمی محکمے میں معلمی کے پیشے سے منسلک ہیں چنانچہ عادل سید اپنے بڑھاپے کی وجہ سے نماز جماعت کی خدمت سے الگ ہوگئے تھے اس لئے آغا موصوف نے باقاعدہ طور پر اس دینی خدمت کو انجام دیتے تھے اسی طرح نماز جماعت و جمعہ اور تبلیغ اور ارشاد کا سلسلہ جاری رہا چنانچہ اس خدمت کے دوران گلگت کے حالات کی روشنی میں آپ کو ہی مرکزی انجمن امامیہ گلگت کا عبوری صدر بھی مقرر کیا گیا اس لئے جماعت و تبلیغ کے ساتھ آپ پر قومی سیاسی اور اقتصادی ذمہ داری بھی عائد ہوئی اسی طرح آپ نے مقامی حالات کے تناظر میں صدر انجمن

امامیہ گلگت کی اہم ذمہ داری کو خوش اسلوبی کے ساتھ بھرپور طریقے سے نبھانے کی کوشش کی اور ملت کے دانشمند حضرات کی مشاورت سے اس ملی کام کو آگے بڑھایا چنانچہ ملت کی اقتصادی حالت کو سنبھالا دینے کی خاطر ایک خاص پالیسی اپنائی اور اپنی پر خلوص جدو جہد اور محنت شاقہ کے ساتھ قومی اقتصاد کو ترقی دی اور مستقبل کے لئے ایک اقتصادی نظام کی بنیاد رکھا اور اس خدمت کے صلے میں آپ کی جان پر حملہ بھی ہوا اور آپ زخمی ہوئے تھے چنانچہ بغیر نام کے آپ نے تعمیر ملت پروگرام کا آغاز کیا تھا اس لئے نکاح اور شادی کے ہاروں کے حصول کے علاوہ جمعہ اور دیگر تقریبات کے دوران چندے بھی جمع کیا کرتے تھے اور اس کے ساتھ گلگت شہر کے محلوں اور گھروں میں خود گھوم پھر کر مومنین سے چندے وصول کرتے تھے اسی طرح لوگوں کی مدد سے مومن بازار گلگت کی کچی دکانوں کو آر سی سی مارکیٹ میںد تبدیل کیا اس طریق کار سے قومی اقتصاد میں ترقی ہوئی اور کچھ زمین بھی خریدا تھا اور جامع مسجد امامیہ گلگت کی بڑھتی ہوئی آبادی کی وجہ سے آپ وسعت دینا چاہتے تھے چنانچہ 1988 کے سانحہ فاجعہ کے بعد جناب علامہ شیخ محسن علی نجفی اسلام آباد اور جناب علامہ شیخ مدبر علی نجفی کراچی گلگت تشریف لائے تھے ان دونوں بزرگوں نے آغا موصوف سے گلگت کے مسائل پر بات کی تو آپ نے قدیم مرکزی جامع مسجد امامیہ کی اندرونی خستہ حالی اور مذہبی تقریبات کے لئے مسجد کے چھوٹی پڑھنے کا ذکر کیا تو

ان بزرگوں نے اس کی مرکزیت کی پیش نظر اس کو توسیع اور تعمیر نو کی ضرورت کو سمجھا
اور آغا موصوف کو اسلام آباد آنیکی دعوت دی اور آپ اسلام آباد تشریف لے گئے
اسی طرح علامہ شیخ محسن علی نجفی دام ظلہ نے اس جامع مسجد کی تعمیر نو اور توسیعی
پروگرام کے تحت ایک خوبصورت نقشہ بنوا کر آغا موصوف کے حوالہ کیا اور مالی تعاون
کی یقین دہانی بھی کرائی مزکورہ نقشہ اب انجمن امامیہ گلگت کے دفتر میں آویزاں
ہے اور اسی طرح 1989ء کے دوران آغا ضیاء الدین رضوی نے حوزہ علیہ قم کو خیر
باد کہہ کر شہر گلگت میں رہنے کا فیصلہ کیا اس لئے آپ نے مرکزی جامع مسجد کی
خطابت کی ذمہ داری سنبھالا اور آغا عباس علی شاہ حسینی نجفی نائب خطیب اور صدر
انجمن امامیہ گلگت کی ذمہ داری پر قائم رہے اور عبوری صدر کی حیثیت سے اآپ نے
پہلی مرتبہ اس کے دستور العمل پر عمل کر کے انجمن امامیہ گلگت کا جمہوری انداز میں
انتخابات کرائے جو قابل تقلید بات ہے کیونکہ یہ انجمن کی تاریخ میں یہ اولین الیکشن
تھا اس میں گلگت کے سات مکسوہ کے نمائندوں نے اپنا حق رائے دہی استعمال کیا تھا
اور اس جمہوری انتخابات کے نتیجے میں جناب محمد افضل خان صاحب صدر اور میجر
حسین شاہ صاحب جنرل سکریٹری منتخب ہوئے تھے مگر ان کی یہ کابینہ قبل از وقت
احتجاجاً مستعفی ہوئی اس استعفیٰ کے پس منظر میں ایک لمبی داستان پوشیدہ ہے اس
لئے اس کو صرف نظر کرتا ہوں

آغا ضیاء الدین رضوی نے اس تعمیر ملت پروگرام کو ایک منظم انداز میں چلانا شروع کیا تھا چنانچہ افراد مقرر ہوئے اور دفتر بھی قائم ہوا تھا اور اس عظیم اقتصادی پروگرام کو وسعت دیکر جاری رکھا جائے اس دوران مقرر کردہ نمائندوں کی باہمی چپقلش کی وجہ سے اقتصادی پروگرام کمزور پڑھ گیا تو آپ نے مجبور ہو کر اس اوارے کا انتظام اپنے ہاتھ میں لیا اور اس پروگرام کے تحت مذید زمینیں اور مکانات خریدے گئے اور اس دوران آغا موصوف نے جامع مسجد امامیہ گلگت کے مجوزہ نقشے کو مذید وسعت دیکر ایک بڑی یادگار مسجد کی بنیاد رکھنے کا فیصلہ کیا تو راقم نے تعمیر ملت پروگرام کے دفتر واقع مہربان پورہ میں ایک نجی اجلاس میں یہ تجویز دی تھی کہ مجوزہ نقشہ کے مطابق مسجد کو وسعت دی جائے اور باقی ماندہ رقم سے ایک امدادی فنڈ قائم کر کے تعلیم کے شعبے میں اچھے نمبر حاصل کرنے والے ذہین طلباء کے لیے قابل واپسی کے وظیفہ جات کے نام سے مدد کی جائے مگر یہ تجویز زیر غور نہیں لائی گئی مگر آپ نے ایک عظیم جامع مسجد تعمیر کر کے قوم کی ناک رکھ لی اسی طرح آغا ضیاالدین رضوی کی بے وقت شہادت کے بعد تعمیر ملت پروگرام بہت کمزور ہوا تھا اب حجتہ الاسلام والمسلمین آغا راحت حسین الحسینی نے اس اقتصادی پروگرام کی تحریک کو دوبارہ شروع کیا ہے اور اس پر کام ہو رہا ہے چنانچہ تعمیر ملت پروگرام آغا عباس علی شاہ نجفی اور آغا ضیاالدین رضوی کا تحفہ ہے اس کو زیادہ فعال اور ثمر بار بنانا وقت کی

اہم ضرورت ہے اس ملی پروگرام سے تعاون کرنا ایک صدقہ جاریہ ہے اور عالمی اقتصادی حالات کی روشنی میں آج اس ملی پروگرام کو ترقی دینا واجب ہوگیا ہے

نابغہ روزگار

حجتہ الاسلام آغا ضیاء الدین رضوی اپنے خلوص نیت اور خدمت اسلام اور مکتب اہل بیت کی ترویج کے پرعزم جذبے کی بدولت سرزمین گلگت کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ و تابندہ رہینگے آپ کے اندر موجود زہد وتقویٰ اور روحانی کمال کی خاص صلاحیت نے آپ کے والد بزرگوار آغا سید میر فاضل شاہ بھی المعروف عادل سید کی یاد کو یاد کو فراموش کرایا تھا اسیطرح زہد و روحانیت میں آپ اپنے والد بزرگوار کے نعم البدل تھے اس لیے مئی 1988ء کے سانحہ فاجع گلگت کے بعد قومی مرکز گلگت میں آپکا وجود ملت تشیع کے لیے باعث طمانیت تھا آپ کے اندر جذبوں کا سمندر تھا مگر آپ خاموش طبعت اور کم گو تھے یعنی موج ہے دریا میں اور بیرون دریا کچھ نہیں کے مصداق تھے آپ کوئی پیشہ ور مقرر نہیں تھے مگر بولنے لگتے تو خوب بولتے تھے اسی طرح آپکی دینی فعالیت اور خلوص دیکھ کر عام لوگوں کو یقین ہو چلا تھا کہ آپ اپنے والد بزرگوار نانائے محترم کی طرح سیادت و روحانیت کے حوالے سے بلا تفریق مکتب و مسلک آپ کی علمی اور روحانی زندگی کا فیض عام جاری ہو اور آپ جماعتی گروہ بندی سے الگ ہو کر سب کے لئے اسلام کے روحانی محور ہو نگے کیونکہ روحانیت اور مذہبی قیادت کے حوالے سے آپ کی ذات سرزمین گلگت میں زہد و

تقویٰ کے تناظر میں نابغہ روزگار تھی مگر مقامی خود مختار انتظامیہ کے زیر اثر اداروں اور نمک خوار لوگوں کی متعصبانہ روش کی وجہ سے آپ کے اس خاموش سمندر میں ارتعاش پیدا ہوا تھا اور ان ناانصافیوں میں دن بدن اضافہ بھی ہو رہا تھا اس لئے آپ نماز جماعت و جمعہ اور دیگر مذہبی محافل و مجالس کے تبلیغاتی پروگراموں کے دوران علاقے کے مذہبی اور سیاسی مشکلات اور علاقائی قومی مسائل کے حوالے سے دوٹوک بات کرنے لگے اور اعلائے کلمۃ الحق سے نہیں ہچکچاتے تھے اور آپ کی اس طرز ادا کی وجہ سے لوگوں کو حوصلہ ملا اور مجبور و پریشان لوگ اپنی پریشانیاں آپ کے سامنے پیش کرتے تھے اور آپ اپنے خطبات میں بیان کرتے تھے مگر ان مسائل کو کسی خاص طریقے سے اٹھانا چاہئے تھا مگر اکثر ایسا نہیں ہوتا تھا اور اس طرح کے بیانات کے بعد مسائل میں روزانہ اضافہ ہو جاتا تھا چونکہ آپ مقامی انتظامیہ اور اس کے اداروں میں ہونے والی یکطرفہ زیادتیوں کو ہدف تنقید بناتے تھے اس لئے وہ ضد میں آکر ان مشکلات میں اضافہ کر دیتے تھے پھر بھی خود مختار اور جانبدار انتظامیہ اور اس کے انتظامی اداروں کو پریشانی کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا اور ساتھ ہی مذہب کے نام پر سیاست کرنے والے سیاسی جغادریوں کو بھی مشکلات درپیش ہو رہے تھے چونکہ ان لوگوں کا یہ خیال تھا کہ ایک ناتجربہ کار نوجوان شخص اس نوآبادیاتی طرز زندگی کے عادی لوگوں کو کیا سنبھال لیگا آپ معصوم نہ تھے غلطیوں کے باوجود ملت

میں بیداری کی روح پھونکی تھی اس لئے کچھ قیادت پسند لوگ مذہب کے نام پر اپنی مذہبی اور ملی نمائندگی کو آپ کے نام کے طفیل کامیاب بنانا چاہتے تھے اور اس خطہ بے آئین میں حکومت کرنے والے حکمران علاقے کی حساسیت اور اپنی سیٹ کو قائم رکھنے کی خاطر ہر جگہ کچھ دو اور کچھ لو کی پالیسی پر کاربند تھے اور سیاسی لوگ بھی اس طرز ادا کے خوگر تھے اس لئے اندر اور باہر سے اپنے اور پرائے سب نے ملکر آپ کو اپنے دام تزویز میں گرفتار کرنے کی خاص کوشش کی اگرچہ آپ سے غلطیاں ہوئیں ہیں مگر ان لوگوں کے ہاتھ نہ بکے ہیں اور نہ جھکے آپ کا قول ہے کہ سردار پر بھی ہم سرخ رو ہیں ان گھمبیر حالات میں مسائل پیدا ہوئے راز راز نہ رہا اور کام ہوا نہیں تو آپ نے جملہ امور کی نگرانی اپنے ہاتھ میں رکھ کر کی تو بعض نمبرداری کے طالب لوگوں کو آپ کی یہ طرز ادا پسند نہ آئی بلا آخر آپ کی شخصیت کو الجھانے کی خاطر اس خطہ بے آئین کی نام نہاد مذہبی سیاست میں گھسیٹنے کی سازش کی گئی ان پس پردہ حالات کے تناظر میں آپ کی عزت اور روحانیت کی روشنی میں گلگت کے دانشور طبقہ وکلاء حضرات اور دانشمندوں کا ایک خاص وفد نے آپ سے ملاقات کر کے کسی بھی سیاسی یا مذہب کے نام پر سیاست کرنے والے لوگوں سے دور اپنے رہنے کا مشورہ دیا تھا تا کہ پارٹی بازی اور گروپ بندی کی وجہ سے آپ کی روحانی قیادت اور مذہبی مقام مجروح نہ ہو۔ آپکی خاندانی سیادت اور روحانی قیادت کے لیے

سیاست مدن اور سیاست وطن سے بڑھ کر الٰہی سیاست کی ضرورت تھی جسکو سیاست الہیہ کہتے ہیں کیونکہ سیاست وطن کے لیے کام کرنے کی خاطر وہ سیاست دان موجود ہیں جو سیاست الہیہ کو نظر انداز کرتے ہیں اور مختلف پارٹیوں کے پلیٹ فارم سے لوگ کام کر رہے ہیں بدقسمتی سے پس پردہ سازشی عناصر اپنے مقصد میں کامیاب ہوگئے اور آپ کی قسمت میں شہادت لکھ دی گئی لوگوں نے ایک تیر دو نشان کا تماشہ کیا اسی طرح آپ کی ذات کے صدقے سیاسی امیدواروں کی کامیابی یقینی ہوگئی اور دوسری جانب اس بے ہنگم سیاست میں آنے کے بعد مختلف پارٹیوں اور تنظیموں کے نزدیک آپکی خالص روحانی اور مذہبی حیثیت متنازعہ بن جائیگی لہٰذا آپکی غیر موجودگی میں آپکو مذہبی سیاسی جماعت تحریک جعفریہ پاکستان شمالی علاقہ جات کا صدر نامزد کیا گیا آپ سے دلی عقیدت رکھنے والے سنجیدہ لوگ اس بات پر خوش نہ تھے اور میری نظر میں یہ صدارت اس نو آبادیاتی نظام زندگی میں آپکی شایان شان نہ تھی اسی طرح آپکی روحانیت و تقویٰ اور خلوص نیت کو داغدار بنایا گیا اور عقیدت مندوں کے ذہن پھر گئے چنانچہ 1994 کے نام نہاد مقامی انتخابات کے دوران پارٹی کے لوگوں نے آپ کی صدارت سے بھرپور فائدہ اٹھایا اسیطرح گلگت کے مختلف جگہوں کے سیاسی دورے کرا کر شیعہ امیدواروں کے مقابلے میں مذہب کے نام پر الگ شیعہ نمائندوں کی ترویج کرائی گئی اور اس کے ساتھ الیکشن

کمیشن کے دفتروں کا افتتاح آپ سے کروا کر آپکی شخصیت متنازعہ بنا دیا گیا اسی طرح 1994 کے نام نہاد انتخابات میں تحریک جعفریہ شمالی علاقہ جات کو مجموعی سیٹوں کے لحاظ سے برتری ملی اور اس الیکشن میں بڑے بڑے شیعہ سیاسی برج الٹ گئے اس سے تفریق بڑھ گئی مجموعی طور پر ووٹوں کی حمایت کے لحاظ سے تحریک جعفریہ گلگت کا حمایتی گراف بہت کم ہوا دیگر پارٹیوں اور امیدواروں کی مجموعی حمایت زیادہ رہی اسی طرح آپ کے خلاف سیاسی باتیں زیادہ بڑھ گئی اور آیندہ انتخابات تک تحریک جعفریہ کا حمایتی گراف صفر ہو گیا اسکی ایک مثال شیعہ ریاست نگر کی دی جا سکتی ہے یعنی میر شوکت علی خان اور شیخ غلام حیدر جیت گئے تھے اور مقابلے میں قربان علی مرزہ حسین سید یحیٰی شاہ اور اکبر حسین اکبر کے مجموعی ووٹ انکے مقابلے میں نصف سے زیادہ تھے چنانچہ آپکی خاندانی سیادت اور روحانی قیادت کو سیاست پسند لوگوں نے اپنے خاص مفادات کی خاطر اپنے حق میں کیش کرایا اور اس پس پردہ سازش کے بعد ملت شیعہ سیاسی رہنما اور انکے حمایتی لوگ کھلے بندوں ضد بازی اور مخالفت پر اتر آگئے اور اختلافات و مخالفتوں کا ایک بے ہنگام سلسلہ جاری ہوا اسی طرح شمالی علاقہ جات میں شیعہ ملت دو گروپوں میں بٹ گئی اور یہ سیاسی خلیج بہت زیادہ وسیع ہوئی پھر کھسیانی بلی کھمبہ نوچے کے طور پر تحریک جعفریہ گلگت نے شیعہ ملت کے اس بٹوارے کو ختم کرانے کی خاطر مختلف مسائل کو اشو بنا کر

اس منتشر قوم کو متحد کرنے کی عام کوششیں شروع کی۔ سب کچھ لٹا کے ہوش میں آئے تو کیا ہوا اور اس چل چلاؤ کے دوران ہمسایہ ملک افغانستان میں طالبان تحریک کی طرف سے اسلام کے نام پر حکومت چل رہی تھی شمالی علاقہ جات میں دیو بندی مکتب فکر کے لوگ طالبان حکومت کے گھمنڈ میں طالبان تحریک کے نام پر یہاں کے عوام کو دھمکانے کی عام کوشش کرتے تھے اور اس عام فکر کے حوالے سے خبر رساں لوگوں نے خبر بنا کر آپ تک پہنچایا کہ اس سال محرم الحرام کے دوران حسب سابق دیو بندیوں اور طالبان کی طرف سے مداخلت کا امکان ہے اور اس بنی بنائی خبر کے بعد آغا ضیاء الدین رضوی نے عید قربان کی نماز کے خطبے کے دوران ہزاروں نمازیوں کی موجودگی میں اس خبر کا اعلان کیا اور شیعہ ملت کو متحد ہو کر چوکنا رہنے کی تلقین کی تھی اور جب خبر عام ہو کر دنیور پہنچی تو 20 ذالحجہ کی تاریخ لکھ کر راقم نے صدر مرکزی انجمن امامیہ گلگت جناب محمد افضل خان صاحب کے نام ایک تفصیلی خط لکھا کہ شیعہ قومی مرکز گلگت کے خطیب اور صدر تحریک جعفریہ شمالی علاقہ جات آغا ضیاء الدین رضوی کی طرف سے کھلے عام اس اعلان کو سیاسی یا سطحی نہیں سمجھا جاسکتا ہے اور خدا کرے یہ خبر درست نہ ہو پھر بھی شیعہ مرکز اور صدر انجمن امامیہ گلگت کی ذمہ دار کی حیثیت سے اپنی قوم کو اعتماد میں لینے کی خاطر آپ نے ابھی تک کیا اقدامات کئے ہیں جب کی ماہ محرم کی آمد کے لئے صرف دس دن باقی رہ گئے ہیں پس محرم آیا

اور خیر سے گزر گیا نہ طالبان آئے اور نہ جھگڑا ہوا تا ایندم یہ معلوم نہ ہو سکا کہ اس خاص اعلان عام کے پس پردہ عوامل کیا تھے اور آغا موصوف سے یہ اعلان کیوں کرایا گیا تھا دنیا میں مسلمان امہ کو عالمی استکبار کی سازشوں سے باخبر رہنا چاہئے اور خصوصاً مکتب تشیع کو زیادہ ہوشیار رہنا ہوگا مئی 1988ء کے واقعہ کے بعد میں چھاج کو بھی پھونک کر پینے کی عادی ہوا ہوں مگر انسان سے غلطیاں ہو جاتیں ہیں نادانستہ غلطیوں کو اب کریم اپنی رحمت سے معاف کر دیتا ہے مگر دانستہ غلطیوں کی سزا معاف نہیں ہوگی یہ قرآن وسنت کا اٹل فیصلہ ہے اور لوگوں نے مذہب کے نام پر سیاست کر کے علاقے کی آئینی حقوق کے علاوہ خود ملت کو بھی نقصان پہنچایا۔

تحریک نصاب

شمالی علاقہ جات کا دارالخلافہ گلگت میں اصلاح نصاب تعلیم کے نام پر ایک غیر مربوط جذباتی تحریک چلائی گئی دانشمند لوگوں نے اس تحریک کو بھی شیعہ ملت میں پیدا کردہ بے اتفاقی کی دراڑوں کو پاٹنے کا نام دیا تھا چونکہ مملکت پاکستان کے نظام تعلیم میں نصاب تعلیم کی خامیاں اور خرابیاں عام ہیں اس خطہ بے آئین میں دیگر اشیاء کی طرح نصاب بھی خیرات میں ملا ہوا ہے اور پاکستان میں ہر چار سال بعد نصاب تعلیم تبدیل ہو جاتا ہے اور ہر دفعہ جس ماہر نصاب کو موقع ملا وہ اپنی فکر اور نظریہ ٹھونسنے کی کوشش کرتا ہے اس لئے اسلامی جمہوری پاکستان میں اصلاح نصاب تعلیم کے لئے سب کو ملکر قربانیاں دینے کی ضرورت ہے تاکہ حصول پاکستان کا مقصد کامیاب ہو اس لئے اصلاح نصاب تعلیم کا مطالبہ سو فیصد درست اور حق بجانب مطالبہ تھا کیونکہ دستور پاکستان کے تناظر میں ملت شیعہ کا یہ آئینی اور اسلامی حق بھی ہے کہ ملکی نصاب تعلیم کی اصلاح کا مطالبہ کرے لیکن اس خطہ بے آئین سے دارالخلافہ گلگت میں بطور راشو اس مسئلے کو تحریک کے نام سے اٹھایا جانا درست نہیں تھا کیونکہ یہ مسئلہ پورے ملک اور پورا مکتب تشیع کا تھا لہذا اس مسئلے پر آواز اٹھانا بلتستان اور پاکستان کے چاروں صوبوں کے علماء اور اکابرین ملت کا بھی ملی اور شرعی

فریضہ تھا کہ حسب سابق متحد ہو کر اس اہم مسئلے میں بھر پور حمایت کرتے چونکہ یہ تحریک منتشر شیعہ ملت کو متحد کرنے کا ایک سیاسی اشو تھا جو لا حاصل رہا اور ملت کو یکجا نہ کر سکے۔ شیشہ صد پارہ را پیوند کردن مشکل است

اور آخر میں اس کے بہت بڑے بھیانک اثرات مرتب ہوئے۔ بلتستان والوں نے بھی اس تحریک کا ساتھ نہیں دیا کم از کم بلتستان کے وہ علماء جو تحریک جعفریہ کے شریک سفر تھے تحریک اصلاح نصاب میں ساتھ دیا ہوتا تو آغا ضیاء الدین رضوی کو نقصان نہ پہنچتا ابتدا میں آپکی صدارت کے حامی لوگوں نے اس تحریک کو شروع کرایا تھا جب یہ مقامی تحریک زور پکڑنے لگی تو اس حساس خطے کی انتظامیہ اور دیگر پاکستانی اداروں کو پریشانی لاحق ہوئی لہذا حکومت کی جانب سے تحریک جعفریہ کے ڈپٹی چیف اور مشیروں پر دباؤ پڑھ گیا کہ اس تحریک کو ختم کیا جائے اس کے بعد جو لوگ مذہب کے نام پر خیرات کھاتے تھے وہ بھی مطالبہ کرنے لگے کہ اس پروگرام کو ختم کیا جائے مگر آغا ضیاء الدین کوئی سیاسی لیڈر نہ تھے کہ جلد ہی اپنا قبلہ بدلتے آپ نے انکار کیا تو تحریک جعفریہ کے ممبروں نے قائد تحریک جعفریہ علامہ سید ساجد علی نقوی صاحب کے پاس جا کر شکایت کی کہ گلگت میں آغا ضیا ہمارے لیئے مسائل پیدا کر رہے ہیں انکی شکایت پر آپ نے آغا موصوف کو اسلام آباد طلب کیا اور آپ سے کہا یہ مسئلہ نصاب حرف گلگت کا نہیں اور یہ مسئلہ بلتستان اور پورے پاکستان کا ہے اور

پاکستان کے سب شیعہ اس مسئلے کے حامی ہیں لہٰذا اس مسئلے کو گلگت تک محدود کر کے اٹھانا درست نہیں لہٰذا گلگت میں اس تحریک کو بند کیا جائے اسیطرح آپ پندرہ دن تک اسلام آباد میں گزار کر گلگت واپس ہوئے اور دو ماہ تک خاموشی سے گزر گئے اور ایک بار پھر پس پردہ سازش سے شکیوٹ مڈل سکول میں کسی شیعہ طالب علم کے ہاتھوں کتاب دینیات کے ایک سبق پھاڑنے کا واقعہ ہوا اور اس عمل کے ردعمل کے طور پر مذہبی شور و شر کا آغاز ہوا تو آغا موصوف نے پھر سے خطبہ جمعہ اور مجالس میں اس موضوع نصاب کو چھیڑا اس پر نام نہاد تنخواہ دار مشیروں نے قائد تحریک جعفریہ علامہ سید ساجد علی نقوی صاحب کے پاس شکایت کے ساتھ تحریک جعفریہ شمالی علاقہ جات کی صدارت کے عہدے سے ہٹانے کا مشورہ دیا چنانچہ آپ نے مجلس عاملہ اور صوبائی حدود کا اجلاس طلب کیا اس ہنگامی اجلاس میں پنجاب سندھ بلوچستان اور سرحد کے صوبائی صدور کو قائم رکھا گیا مگر آغا ضیاء الدین رضوی کو ہٹا کر سید محمد عباس رضوی ممبر ناردرن ایریا کونسل سکردو کو تحریک جعفریہ شمالی علاقہ جات کا صدر مقرر کیا گیا اسی طرح آغا موصوف کو بند گلی میں دھکیلا گیا دوستوں کی طرف سے بے وفائی کے باوجود آپکے جذبے میں کوئی فرق نہیں پڑا مخلص اور جذباتی جوانوں نے آپکو نہیں چھوڑا اس دوران بہت سے واقعات پیش آئے اور اس تحریک اصلاح نصاب کے دوران دانستہ یا نادانستہ طور پر نعرہ بازی اور رقعہ بازی کا سلسلہ جاری رہا اور آپ

نے غیر ضروری جذبات میں تقریریں کی روز اپنے آپ کو مذہبی انتہا پسندی کے میدان میں داخل کرایا جو آپ کی شہادت کا باعث بنی

چنانچہ اس خطہ بے آئین شمالی علاقہ جات کے دارالخلافہ گلگت میں خودمختار انتظامیہ کی رٹ کو چیلنج کیا گیا انتظامیہ سے مذاکرات ہوتے رہے شیعہ طلبا ایکشن بنائی گئی مگر کوئی مثبت نتیجہ نہیں نکلا آپ اپنے مطالبے پر قائم رہے حالات کے تناظر میں کوئی لچک نہیں دکھائی گئی اس دوران آپ کے خلاف برطانیہ اور ہندوستان کے ایجنٹ کا بھونڈا الزام بھی لگایا گیا اسی طرح کوئی مثبت راہ حل نظر نہیں آیا تو آغا موصوف نے اپنے مخصوص ساتھیوں کے مشورے سے جلد بازی میں احتجاج کی پالیسی کا اعلان کیا جو آپ کی شہادت پر منتج ہوا چنانچہ اس اہم مسئلے کے بارے میں اتنا بڑا اقدام سے پہلے قومی قیادت سے مشورہ کرنا چاہیے تھا لیکن ایک مخصوص گروہ سے مشورہ کے بعد احتجاج کا فیصلہ کیا گیا جس کی وجہ سے یہ احتجاج بے نتیجہ ہوا 28 مئی 2004 کو عبوری صدر انجمن امامیہ گلگت اور خطیب جامع مسجد امامیہ دنیور نے شاہراہ ریشم کے چوراہے پر عوام کے سامنے یہ اعلان کیا کہ ۳ جون سے احتجاج ہوگا اور سر پر کفن باندھ کر میدان عمل میں آنا ہے اور تخت یا تختہ ہوگا میں لوگوں کی زبانی اس اہم اقدام کے اعلان پر میں ششدر رہ گیا میری اپنی بزدلی یا کم علمی کی وجہ سے بہت زیادہ پریشان ہوا اور منہ سے نکل گیا کہ خدا خیر کرے کہ یہ اونٹ کس کروٹ بیٹھے گا مولا علی

کافرمان ہے لَاتُوقِعُ بِالصَّدورِ قَبلَ القُدرَ وطاقت اور توانائی سے پہلے دشمن پر چڑھائی نہ کرو۔

دنیا کی طویل تاریخ میں احتجاج بھی ہوئے ہیں اور تحریکیں بھی چلیں ہیں لیکن ہر دور میں ملت شیعہ کے ساتھ ان چودہ سو سالوں کے دوران ناانصافی اور ظلم ہوتا آیا ہے اور ان مظالم سے مقابلہ کے لئے ائمہ معصومینؑ کی سیرت اور ثقافت جعفریہ نے ہمیں ایک جامع اور واضح عمل پالیسی دی ہوئی ہے اس پالیسی کے مطابق عمل کرنے میں دو جہاں کی کامیابی و کامرانی یقینی ہے اور پورے پاکستان میں بھی مسئلہ اصلاح نصاب کے حوالے سے تحریکیں چلیں ہیں اور آئندہ بھی یہ سلسلہ چلتا رہیگا اور خاص بات ملت کو سنبھالا دینے کی خاطر صالح اور دانشمند قیادت کی زندگی کی بقاء سب امور سے اہم ہوتی ہے اور اپنے مقصد سے مخلص قیادت ہی اس جانب توجہ کرتی ہے اور مذہبی قیادت کی پالیسی فقط قرآن وسنت کی روشن اصولوں کے مطابق ہوتی ہے اور مجھے مسئلہ اصلاح نصاب کے مقابلے میں آغا سید ضیاء الدین رضوی کی حرمت اور زندگی کی فکر تھی اس دوران ہمدرد لوگوں نے بھی صرف دعا پر گزارہ کیا اور حالات کا تقاضا بھی یہی تھا مگر آپ اپنی ضد اور رٹ سے ہٹنے والے نہیں تھے اسی طرح ملت شیعہ کے راستے مسدود کر کے اس کو بند گلی میں پہنچادیا گیا تھا اور دوسری طرف حکومتی اداروں کے لوگ اپنے دوستوں سے ملکر اس مسئلے کو

حل کرنے نہیں دیتے تھے اور اس خطہ بے آئین میں اس مسئلے کا حل موجود بھی نہیں
تھا اس بارے میں سوچنا ہوگا کہ یہ ہماری ضد بازی اور نادانی تھی یا حکومت کا تعصب
چنانچہ 3 جون 2004ء کی صبح نمودار ہوئی اور گلگت کے بلند و بالا پہاڑوں کے
آوٹ سے سورج طلوع ہوا تو نگروٹ جلال آباد اوشکھنداس جوتل جگلوٹ رحیم
آباد نومل ظلتر اور دنیور سے کم از کم چار سے پانچ ہزار بچے جوان اور بوڑھے چائنا پل
دنیور میں جمع ہوئے اور غیر منظم انداز میں گلگت شہر میں داخل ہو کر کرفیو اور آغا کی
گرفتاری کے خلاف احتجاج کرنا چاہتے تھے اگرچہ عام لوگوں کو نصاب کا صرف نام
یاد تھا اور نصاب کس بلا کا نام ہے معلوم نہیں تھا مگر یہ اقدام آغا ضیاء الدین رضوی
سے عقیدت کے جذبے کا مظاہرہ تھا اور آپ کی گرفتاری کی خبر نے یہ جذبہ پیدا کیا
تھا اگرچہ 3 جون کی صبح میں گھر پر موجود تھا مگر میرے پانچ لڑکے مسئلہ نصاب حل
کرانے نہیں صرف آغا ضیاء الدین رضویؒ کے پیغام کی لاج رکھنے کی خاطر گئے تھے
اور میں نے مالی تعاون بھی کیا تھا تا کہ لوگوں کے لئے کھانے کا بندوبست کیا جائے
اسی طرح دس بجے صبح جلال آباد سے حاجی شاہ مرزہ صاحب اور حاجی غلام نبی وفا کی
طرف سے ٹیلیفون پر یہ پیغام ملا کہ آپ جا کر حالات سے ہمیں باخبر رکھیں اس لئے
میں دنیور چوک پہنچا تو اطلاع ملی کی ریڈیو پاکستان کی گاڑی کو آگ لگا دی گئی ہے
اس خبر کو سنکر میری چھٹی حس کہنے لگی کہ اس پر امن احتجاج کا رخ تخریب کاری اور

ملت شیعہ کی بدنامی کی طرف موڑ دیا گیا ہے اور جلال آباد کے کچھ احباب نے مجھے زبردستی گاڑی میں بٹھا کر چائنا پل تک پہنچایا دیکھا تو پولیس ریکروٹ سنٹر کو کسی نے آگ لگایا اور وہاں کیا ہوا اس کہانی کو دہرانے کی ضرورت نہیں پس اس بے موقعہ کاروائی کے بعد ملت شیعہ کے خلاف پاکستان مخالف ہونے کا کھلا الزام لگا اور اس کاروائی کے بعد شیعہ ملت کے ساتھ آغا ضیاء الدین رضوی کی بھی بدنامی ہوئی اسی طرح چائنا پل پر راقم نے اپنی دس منٹ کی گفتگو کے دوران مائکروفون کے زریعے یہ ہدایت کی تھی کہ ابھی تک جو ہوا سو ہوا مگر آغا ضیاء الدین رضوی کی رہائی تک اپنا پر امن احتجاج جاری رکھو بدقسمتی سے چار جون تک احتجاج کرنے والوں کی تعداد آدمی رہ گئی تھی اور مجھے بتایا گیا کہ پانچویں دن نام نہاد معاہدہ پڑھ کر سنانے کے لئے ہزار وں بندے بھی بہ تھے اور جو تھے ان کو بھی مسجدوں سے اعلانات کرا کر جمع کیا گیا تھا چنانچہ قدم بڑھاو ضیاء الدین ہم تمہارے ساتھ ہیں کے کھوکھلے نعرے سنکر میں دنیور چوک آیا تو دکاندار علی سرور صاحب نے کہا شیخ صاحب مبارک ہو نصاب کا مسئلہ حل ہو گیا میں نے کہا میں یہ جانتا ہوں کہ گلگت میں اس آسانی کے ساتھ نصاب کا مسئلہ حل نہیں ہو سکتا ہے اُس نے کہا اعلان ہوا ہے میں نے پوچھا کیا آغا ضیاء الدین نے آکر خود اعلان کیا ہے مگر اس نے کہا کہ وہ تو ابھی تک گرفتار ہیں رہا نہیں ہوئے ہیں میں نے کہا جانے دو چنانچہ آغا موصوف کی ساکھ کو خراب کرنے کی ایک اور

سازش کامیاب ہوئی پس مولا علیؑ کا فرمان ہے منافق بھائی سے جاہل دشمن اچھا ہوتا ہے اور نادان دوست سے دانا دشمن بہتر ہوتا ہے۔ اسی طرح ہم سفر ساتھیوں نے آپ سے وفا نہیں کیا اور آغا موصوف اپنے نوے ساتھیوں کے ساتھ گرفتار رہے اور تقریباً ایک ماہ بعد آپ کو رہا کیا گیا اس میں آپکے مخلص اور جذباتی ساتھی گرفتار رہ گئے اور دم تحریر بھی بعض بے گناہ اور سادہ لوگ گرفتار ہیں اور بعض سزا بھگت رہے ہیں چونکہ مکتب اہلبیت کے الٰہی پروگرام اور ثقافت جعفریہ کی واضح پالیسی میں خلوص نیت کا نام جذبہ حقیقی ہے صرف نعرہ بازی اور غیر ضروری جذبات میں آنے کا نام جذبہ نہیں ہے چونکہ خلوص نیت اور معرفت کے مقام پر ذاتی پسند اور ناپسند یعنی ذاتی انا کی کوئی حیثیت نہیں ہوتی ہے اور علم اخلاق میں رضا الٰہی کی خاطر معرفت کے ساتھ خلوص دکھانے سے اپنے جانی دشمن کے سر پر چلتی ہوئی تلوار کی وار بھی رک جاتی ہے اور یہی چمکتی ہوئی تلوار نیام میں چلی جاتی ہے اور اسی معرفت کے ساتھ حرکت وسکون سعادت ہے اور اس انداز زندگی کو جہاد بھی کہتے ہیں اور اسی طرح کی جہاد میں جان چلی جائے تو اس کو شہادت کہتے ہیں۔

﴿تحریک نصاب کا پس منظر﴾

مملکت خداداد پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد کتب اہلبیت کی ترویج اور ثقافت جعفریہ کی بقاء کی خاطر ربانی علماء نے ہر طرح کے جتن کیے ہیں چنانچہ 1963ء کے دوران علامہ سید محمد دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ثقافت جعفریہ کے خلاف ہونے والے واقعات کے پیش نظر علماء اور دانشمندان ملت کے مشورے سے شیعہ مطالبات کمیٹی پاکستان کے نام پر ایک تنظیم بنائی جس کے چار نکات تھے کتب تشیع کے لئے جداگانہ نصاب تعلیم کی تدوین زکواۃ وعشر کا مکتبی ادائیگی جدا شیعہ اوقاف بورڈ کی تشکیل اور تحفظ عزاداری سید الشہداء کی حکومتی ضمانت تھی انہی چار نکات پر بھرپور انداز میں منظم طور پر تحریک چلائی گئی کراچی سے صوبہ سرحد اور بلوچستان سے گلگت بلتستان تک یہ منظم تحریک چلی اس حوالے سے 1965ء کے دوران احتجاج ہوا راقم نے ایک طالب علم کی حیثیت سے لاہور مال روڈ پر اس احتجاج میں شرکت کی تھی پس قومی وحدت کے ساتھ یہ تحریک چلی اور فوجی صدر جنرل محمد ایوب خان کی حکومت نے ملت شیعہ کے یہ سب مطالبات تسلیم کیے تھے اور ان کے حل کی خاطر سرکار سطح پر کام ہو رہا تھا زکواۃ وعشر کے نوٹیفیکیشن کے علاوہ کراچی بورڈ میں الگ نصاب تعلیم کا اجراء بھی ہوا تھا اس دوران علامہ سید محمد دہلوی

رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا اور آپ کی وفات حسرت آیات کے بعد پاکستان شیعہ مطالبات کمیٹی کا ذمہ داری جناب جسٹس سید جمیل حسین رضوی لاہور کے ذمے لگادی گئی اسی طرح مطالبات کا یہ سلسلہ جاری رہا اور ملکی سیاسی حالات فوجی اقتدار کی وجہ سے خراب ہوئے اور جنرل ضیاء الحق نے اپنی جنرلی صدارت کے دوان اسلام کے نام پر لوگوں سے زبردستی زکواۃ وعشر وصول کرنیکا اعلان کیا تو پاکستان بھر کے علماء کرام اور کابرین ملت تشیع نے متفقہ طور پر تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کے نام سے ایک منظم اور مربوط تنظیم کا اعلان کیا اور تنظیم کی سربراہی کے لیے حضرت مفتی جعفر حسین صاحب قبلہ کے نام نامی کا انتخاب ہوا علم وعمل زہد وتقوی اور سیاست مدن کے حوالے سے آپ کی زات گرامی محتاج تعارف نہیں راقم اور وزیر غلام عباس مرحوم اس تحریک کے پہلے ممبر ہوئے تھے اسی طرح صدر جنرل ضیاء الحق کے مارشل لائی دور حکومت میں اپنے مذہبی حقوق کی خاطر دارالخلافہ اسلام آباد میں تاریخ کا سب سے بڑا احتجاجی اجتماع منعقد کیا گیا جہاں لاکھوں لوگوں نے شرکت کی اور اس تاریخی اجتماع کے بعد صدر ضیاء الحق کی مارشل لائی حکومت کو جھکنے پر مجبور کر دیا اور زکواۃ وعشر کے حوالے سے ڈیکلریشن کا اجراء ہوا اور آج تک اس پر عمل ہو رہا ہے مگر نصاب تعلیم پر کام ہو رہا تھا اس دوران حضرت مفتی جعفر حسین رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال ہوا تو حکومتی اداروں کی کوششوں سے ملت شیعہ دو دھڑوں میں بٹ گئی ایک گروپ

کی طرف سے دینہ کنونشن منعقد کر کے پیکر و زہد و تقویٰ آقائے حامد علی شاہ موسوی کو تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کا قائد چنا گیا میری نظر میں تحریک کے دستور العمل کے مطابق یہ انتخاب درست نہ تھا اس سلسلے میں تحریک کی مجلس عاملہ سپریم باڈی اور نمائندوں کا ایک عظیم اجتماع قصر زینب بکھر میں منعقد ہوا اور اس قانونی اجتماع میں محسن ملت علامہ سید صفدر حسینی نجفی رحمۃ اللہ کا انتخاب ہوا مگر آپ نے علماء اور اکابرین ملت کا شکریہ ادا کر کے اپنے حصے کے 75 فیصد ووٹ علامہ سید عارف حسین الحسینی کے نام کر دیا اسی طرح ملت تشیع کی خدمت کی ذمہ داریاں نوجوان عالم و عارف علامہ سید عارف حسین الحسینی کے ذمے لگا دیا گیا چنانچہ اس دانشمند قیادت نے اپنے ملی مطالبات کا سرنامہ پاکستان میں رائج نصاب تعلیم کو قرار دیا دار الخلافہ اسلام آباد میں آپکا داخلہ بند تھا مگر آپ کے حکم سے علماء کرام کا ایک منظم اجتماع وزارت مذہبی امور کے دفتر کے سامنے ارجنٹینا پارک اسلام آباد میں منعقد ہوا اس عظیم الشان اجتماع میں ایک ہزار سے زیادہ علما شریک تھے حالات کے تناظر میں علماء کا یہ روح پرور جلوس مسجد اثنا عشریہ اسلام آباد کی جانب چلا گیا اور پانچ دن تک بجلی اور پانی کے بغیر یہ اجتماع محصور رہا اور آخر کار صدر جنرل ضیاء الحق کا وزیر داخلہ محمود اے ہارون سے مزاکرات کے نتیجے میں تجدیدی زکواۃ و عشر ڈیکلریشن کے علاوہ نئے نصاب تعلیم کے حوالے سے جماعت نہم و دہم کے لئے الگ نصاب دینیا

ت کا معاہدہ ہوا اور ایک سال کے اندر مطلوبہ نصاب تعلیم پنجاب ٹکسٹ بک بورڈ لاہور نے چھاپ کر شائع کیا اسی طرح حسب دستور چار سال بعد جناب محمد نواز شریف کے دور حکومت میں مزکورہ نصاب سب کے لئے ختم کر کے ترجمہ قرآن مجید اور احادیث نبویہ کے علاوہ معروضی سوالات کے ساتھ اسلامیات لازمی کا نیا نصاب منظر عام پر لایا گیا تھا اور آج تک اسلامیات کا وہی نصاب تعلیم رائج ہے۔

خطہ بے آئین شمالی علاقہ جات گلگت میں چلائی گئی تحریک نصاب تعلیم کے دوران پانچ جون 2004ء کو باہم طے پانے والا نام نہاد معاہدہ کہاں گیا اور آج چار سال کی مدت پوری ہوئی ہے مگر سر پہ کفن بھاند کر میدان عمل میں آنے والے تختہ کی جگہ تخت پر آرام فرما ہیں اور شیعہ طلباء ایکشن کمیٹی بھی نام کی رہ گئی ہے خدا ہم سب کی ہدایت کرے کیونکہ ہم نے پایا کچھ نہیں مگر بہت کچھ کھودیا ہے پس پاکستان سے بے وفائی کے الزام اور بے گنا جوانوں کی شہادت کے علاوہ تاریخ گلگت کا دوسرا بڑا زخم آغا ضیاء الدین رضوی کی مظلومانہ شہادت ہے اور مکتب تشیع گلگت اس عظیم زخم کو ہمیشہ چاٹتا رہیگا۔ اب ضیاء الدین تنہا ہے

﴿دنیور والوں کا شکریہ﴾

حجۃ الاسلام آغا ضیاء الدین رضوی جیل سے رہائی کے بعد دنیور کے مومنین کا شکریہ ادا کرنے کی خاطر دنیور آئے اور جامع مسجد امامیہ دنیور میں ایک جلسے سے خطاب کیا اور تحریک اصلاح نصاب تعلیم کے دوران بھرپور تعاون کرنے پر ان کا شکریہ ادا کیا چونکہ راقم اس جلسے میں شریک نہ تھا اس لیے آپکی تقریر کی تفصیل کا مجھے علم نہیں ہوا کہ آغا نے کیا گفتگو کی لیکن دوسرے دن جناب احسان علی صاحب سابق چیئرمین نے بتایا کہ آغا موصوف نے آپ کے بارے میں مجھ سے پوچھا کہ کاکو گھر پر ہونگے میں نے آپکی گھر موجودگی سے لاعلمی کا اظہار کیا آغا آپ سے ملنا چاہتے تھے اس لیے میں نے تیسرے دن ٹیلیفون پر آپ سے رابطہ کیا اور کہا ملاقات کرنا تھا تو مجھے ٹیلیفون کرتے تاکہ میں گھر پر موجود رہتا یا آپ سے ملاقات کے لیے آجاتا میں نے کہا کیوں یاد کیا تھا آغا موصوف نے کہا موجودہ حالات کے بارے میں تبادلہ خیال کرنا تھا چونکہ 1994 کے بعد دعا وسلام کے علاوہ کسی موضوع پر بات نہیں ہوئی تھی میں نے کہا آپ کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے اس پر میں پریشان ہوں کہ ایک نام نہاد معاہدے کے تحت سیدھی سادھی قوم کو بیوقوف بنایا گیا اور آپ اور آپ کے بے گناہ ساتھیوں کو جانبدار انتظامیہ کے رحم وکرم پر چھوڑا گیا اور جذباتی

لوگوں کی طرف سے نعرے لگوا کر لوگوں کو اپنے گھروں کو روانہ کر دیا گیا اور ان نعرہ لگا کر جانے والوں میں میرے پانچ لڑکے بھی تھے بلکہ کھودا پہاڑ نکلا چوہا۔ میں نے کہا اس ہنگامہ دار و گیر کے بعد میں بہت زیادہ بے حوصلہ ہوا ہوں میں نے کہا اس حوالے سے مل بیٹھ کر سوچنا ہوگا کہ کیا کیا جائے اس سلسلے میں راقم ہمدرد اور دانشمند دوست احباب سے رابطے میں تھا اسی طرح کچھ مدت بعد کسی تعزیتی محفل میں سرسری بات ہوئی میں نے اظہار ناراضگی کے ساتھ کہا کہ آج میری نظر میں حالات پہلے سے زیادہ خراب ہیں کیونکہ جب انتظامیہ کی طرف سے عید گاہ کنو داس گلگت میں نام نہاد ایرانی پریشر کو کر بم کی مشہور سازش کے بعد آپ کے ساتھ کچھ شیعہ قائدین گرفتار کر کے ضلع دیامر لیکر گئے تھے مگر وہاں سے آپ، سب لوگ باعزت واپس ہوئے تو میں نے آپ سے کہا تھا کہ ہم سب کو آپ کی عزت و احترام اور آپ کی زندگی کی فکر ہے کیونکہ سو مرے سردار نہ مرے آج اُس وقت کے حالات اور اس وقت کے حالات میں آسمان و زمین کا فرق ہے اسی طرح آج کوئی ناراض تماشائی ہے اور کوئی پس پردہ منافقت کر رہا ہے اور کوئی دکھاوے کا جذبہ دکھا رہا ہے اس کٹھن وقت میں آپ کی حیثیت سفیر حسینؑ حضرت مسلم ابن عقیل کی طرح ہے پس میں نے آپ سے وعدہ کیا تھا کہ عزیز و اقارب اور مخلص دوست و احباب سے ملکر ایک خاص میٹنگ بلاؤنگا اور اس اجلاس میں سابقہ سیاسی کدورتیں ختم کر کے مستقبل کے بارے

میں ایک اجتماعی لائحہ عمل طے کیا جائے گا چنانچہ اس سلسلے میں کافی سے زیادہ احباب اور دوستوں سے رابطے قائم کئے تھے مگر سب تدبیریں بے کار ہو گئی اور ظلم کے کمان سے بلا کا تیر نکل چکا تھا اس لئے امتحان کی گھڑی بہت جلد آ پہنچی اور آغا ضیاء الدین رضوی رحمۃ اللہ علیہ تاج شہادت سر پر سجا کر آخرت کا دلہا بن گئے اس بے وفا دنیا میں مرنا سب نے ہے مگر شہادت کی سعادت ہر ایک کو کہاں نصیب ہوتی ہے۔

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رُت ہی بدل گئی ۔ اک شخص سارے شہر کو ویران کر گیا

شہادت کے عواقب و نتائج اور اثرات

چنانچہ 8 جنوری 2005ء کو دن کے سوا بارہ بجے کے قریب آپ کے گھر کے نزدیک آپ پر قاتلانہ حملہ ہوا اور اس حملے میں آپکا جانثار ڈرائیور حسین اکبر شہید ہوا اور دہشت گردوں میں سے ایک قاتل کو ایک جانثار نے وہی گولی ماردی اس قاتلانہ حملے میں آپکا ایک جانثار محافظ تنور حسین بھی شدید زخمی ہوا لوگوں نے آغا ضیاء الدین رضوی اور آپ کے محافظ کو فوری طور پر ڈسٹرکٹ ہسپتال گلگت پہنچا دیا اور اس بدترین زیاستی دہشت گردی کی خبر جنگل کی آگ کی طرح گلگت اور اس کے اطراف میں پھیل گئی بدقسمتی سے 8 جنوری کی دہشت گردی کے سانحہ کے موقعہ پر راقم گلگت میں جناب سید جعفر شاہ صاحب ایڈوکیٹ کے چیمبر میں بیٹھا ہوا تھا اور اس لرز خیز خبر کے سنتے ہی ہم لوگ ہسپتال کی طرف دوڑ گئے اور ہستپال کے باہر لوگوں کا جم غفیر موجود تھا جذبات سے بھرے عقیدت مندوں کی آہ بکاء قیامت کا منظر پیش کر رہا تھا حالات خراب ہوئے تو فوراً کرفیو لگا دیا گیا اور راقم بھی دس جنوری تک گلگت میں پھنسا رہا اور دس تاریخ کی رات کے بارہ بجے جناب حاجی صفدر علی صاحب کی توسط سے مجسٹریٹ اور پولیس موبائل مجھے دنیور چھوڑ گئے اس دوران زخمی آغا اور محافظ تنویر حسین کو بذریعہ ہیلی کاپٹر کمبائنڈ ملٹری ہسپتال راولپنڈی

لیجایا گیا چونکہ یہ خالق کا منشا تھا کہ ان شہیدوں کی روح سرزمین راولپنڈی میں قبض ہو چنانچہ 13 جنوری 2005ء بروز جمعرات بقول رات کے تین بجے آپ اپنے خالق حقیقی سے جاملے میری تحقیق کے مطابق تنویر حسین کی شہادت تک آپ کی شہادت کو چھپایا گیا تھا ہم لوگوں نے اپنے رب سے دست بستہ ہوکر گڑگڑا کر آغا کی زندگی کے لئے دعائیں مانگی تھی مگر آپ کی تمناء شہادت ہماری سلامتی کی دعاؤں پر حاوی ہوئی چنانچہ پاکستان ٹیلیویژن کے مختلف چینلو نے اچانک آپ کی شہادت کی دل ہلا دینے والی خبر نشر کیا اور اس اعلان غم کے بعد شمالی علاقہ جات گلگت کے ہر گھر میں صف ماتم بچھ گئی اور ہر آنکھ اشک بار تھی اور لوگ زار و قطار رو رہے تھے اس دوران گلگت مرکز کی طرف سے یہ اطلاع دی گئی کہ دونوں شہیداء کے جنازے دنیور لائے جائنگے اور دنیور جامع مسجد امامیہ میں نماز جنازہ ہوگی اس کے بعد گلگت میں تدفین عمل میں لائی جائیگی اس غیر متوقع اطلاع کے بعد مومنین دنیور نے خلوص عقیدت کے ساتھ دوعدد خصوصی صندوق راتوں رات تیار کرا کر ملٹری ہیلی پیڈ گلگت بھیج دیا تا کہ ان دونو شہداء کے جنازے دنیور لائے جائیں چنانچہ جوانوں نے جامع مسجد امامیہ دنیور کے صحن کے علاوہ ملحقہ شاہراہ ریشم کو بھی باوجود یخ بستہ سردی کے پانی سے دھوکر صاف کر کے اطراف میں عود وعنبر کے دھویں سے معطر کر دیا تھا اسی طرح آپ کی زندگی کی طرح آپ کی شہادت کے بعد بھی لوگوں نے بھر

پور عقیدت مندی کا خاص مظاہرہ کیا تھا چنانچہ دنیور میں نماز جنازہ کی خبر سن کر حلقہ 3 کے علاوہ نومل نلتر نگر اور ہنزہ سے بھی عقیدت مند جامع مسجد امامیہ دنیور میں حاضر ہوئے تھے جمعے کا دن تھا راقم نے نماز جمعہ کی امامت کرائی اور نماز جمعہ کے بعد تین دن احتجاجی شٹر ڈاؤن سات دن مجالس عزا الشہید امام حسین علیہ السلام کا انعقاد اور چالیس دن عام سوگ کا اعلان کیا اور اسیطرح غم و اندوہ کے ساتھ انتظار میں تھے پس یکا یک پس پردہ حالات بدل گئے اور دوبارہ اطلاع دی گئی کہ نماز جنازہ گلگت میں ہوگی اور لوگوں کے لئے سواریوں کا بندوبست بھی ہوگا لہذا سب لوگ جامع مسجد امامیہ گلگت آئیں اس ادل بدل کے پس پردہ کچھ محرکات تھے اور اس ہنگامہ محشر میں یہ ایک عجیب اعلان تھا کیونکہ گلگت شہر میں سخت کرفیو تھا میں نے خود چائنا پل دنیور سے تحصیل چوک گلگت تک آرمی رینجرز ایف سی اور پولیس کے 19 چیک پوسٹ دیکھے تھے اس ہنگامہ خیز موقعہ پر حکومت جانے بھی نہ دیتی اور لوگوں کا خالی ہاتھ بلانا بھی غلط تھا چنانچہ اس غیر منطقی اعلان کے بعد راقم عزیزم مولانا میر عباس مصطفوی سے ناراض ہوا اور صدر انجمن امامیہ گلگت سے رابطہ کر کے بہت سخت ناراض ہو کر کہا کہ یہ کیا تماشہ ہے کہ آپ لوگ عقیدت مندوں اور شہداء کے جنازوں سے مزاق کر رہے ہو کل رات سے آج بارہ بجے تک دنیور میں نماز جنازے کا پروگرام تھا مگر عین موقعہ پر پروگرام کو اچانک تبدیل کرنا بڑی زیادتی ہے

اور یہ غیر ذمہ دارانہ حرکت ہے چنانچہ میری اس خفگی پر صدر موصوف نے کہا کہ گلگت میں غسل و تکفین کے بعد آغا شہید کا جنازہ دنیور لانا مناسب نہ تھا چونکہ عقیدت مندوں کا غم وغصہ اور آہ وبکا اپنے عروج پر تھا اس بے محل اعلان کے بعد لوگ گلگت جانے کے لئے بے تاب تھے اس لئے کچھ لوگ اپنی سواریوں میں بیٹھ کر گلگت کی طرف جانے کے لئے شاہراہ ریشم پر نکل چکے تھے اور دو گنا سے زیادہ لوگ پریشان حال جامع مسجد دنیور اور سڑکوں پر کھڑے تھے چنانچہ ہم لوگوں نے روانہ ہونے والوں کا راستہ روک کر حالات کی نزاکت کو سمجھانے کی بھرپور کوشش کی اور ہم لوگوں کی اس کوشش پر بحمد اللہ عقیدت مند لوگ مان گئے اور غم وغصہ اور اظہار بیزاری کے ساتھ اپنے اپنے علاقوں کی طرف جانے لگے مگر علماء کرام اور نمائندہ معززین کو کرفیو انتظامیہ کی خصوصی اجازت پر نماز جنازہ میں شرکت کا موقعہ فراہم کیا گیا اسی طرح راقم ان انتظامی مسائل میں پھنس کر شہید کے جنازے میں شریک نہیں ہو سکا اس کے علاوہ گلگت کے مخدوش حالات کی وجہ سے حلقہ نمبر 3 نگر و ہنزہ سے لوگ آ کر اظہار تعزیت کرتے تھے چنانچہ مجالس ترحیم کا سلسلہ تین دن تک ہر امام بارگاہ میں جاری رہا اور تیسرے دن شہید ضیاء الدین رضوی اور آپ کے وفادار ساتھیوں کے نام نیاز و خیرات کا اہتمام کیا گیا اور اس خیرات میں دنیور کے اسماعیلیہ کونسل کی طرف سے بھی حصہ ڈالا گیا۔ اور اس سوئم کی نیاز میں بڑی تعداد میں شریک ہو کر

ہمیں حوصلہ دیا چنانچہ اس غم واندوہ کی کٹھن موقع پر نہایت خلوص کے ساتھ شرکت و تعاون نے ہمارے دکھوں کو کم کرنے میں مدد دیا میں حلقہ نمبر ۳ کے اسماعیلی برادری اوران کے مذہبی نمائندوں کی طرف سے جس خلوص و ہمدردی کے ساتھ مکتب شیعہ اثنا عشری اور شہید آغا ضیاء الدین رضوی کے خاندان سے تعزیت وتسلیت پر میں اپنی طرف سے اور شہید کے خاندان کی طرف سے اور ملت شیعہ اثنا عشریہ کی طرف سے اس تحریر کے توسط سے انکا شکریہ ادا کرتا ہوں کہ وہ اس سانحہ فاجعہ میں ہمارے دکھ درد اور غم والم میں برابر کے شریک ہوئے حضرت علی علیہ اسلام کا فرمان ہے **اخوان الصِدقِ زِیَنۃٌ فی السَراء وَعُدۃٌ فِی الضَراَءِ** سچے دوست خوشیوں میں زینت اور پریشانیوں میں سہارا ہوتے ہیں

وصیت نامہ شہید

دین اسلام اور ثقافت جعفریہ کے بنیادی فلسفہ اخلاق کے مطابق ہر زی عقل مسلمان اور مومن کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے سفر و حضر میں اپنی زندگی کے مسائل و حالات کے بارے میں اپنا وصیت نامہ تحریر کر کے چھوڑے اس لیے اللہ کے نیک بندے ہر وقت اپنا وصیت نامہ لکھ کر رکھتے ہیں اور یہ طریق کار سنت موکدہ ہے اسی طرح شہید آغا ضیاء الدین رضوی رحمت اللہ علیہ نے بھی اپنا وصیت نامہ ضرور لکھا ہوگا نیز میرا عقیدہ ہے کہ خطہ بے آئین شمال کے بدلے ہوئے سیاسی اور مذہبی حالات کے تناظر میں آپ کی زندگی ہر طرف سے خطرات میں گری ہوئی تھی یقیناً آپ نے اپنا وصیت نامہ ضرور لکھا ہوگا مگر اس نامعلوم وصیت نامہ کے عنوانات غیر واضح ہیں جن کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں کافی سے زیادہ ابہامات نے جنم لیا ہے چنانچہ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ نے اپنے لیے جائے دفن اپنے نانا بزرگوار اور والد محترم کے مقبرے کے درمیان منتخب کیا تھا اگر آپ کی تحریری وصیت نامے میں یہ بات ذکر ہے تو مسجد کی وقف خاص جگہ میں تدفین کیوں کی گئی اور اسی طرح ایک طبقہ کہتا ہے کہ آغا شہید نے اپنے بعد آغا راحت حسین حسینی کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا اس لیے اپنی نماز جنازہ کے لیے آپ کا نام لیا تھا اور ایک گروہ کی طرف سے یہ

دعوا عام ہوا تھا کہ شہید نے ملت کے بیرونی امور کے لیے ایک صاحب کا اور اندرونی امور کے لیے ایک صاحب کا نام لیا تھا چنانچہ اس دعویٰ کے بارے میں شہید کی تدفین سے قبل ہی قم مقدس ایران میں مقیم شمالی طلبہ کی طرف سے راقم سے پوچھا گیا تھا کہ کیا آغا شہید نے اپنی وصیت نامہ میں ایسی بات لکھی ہے؟ مگر میں نے لاعلمی کا اظہار کیا تھا اسی طرح قائد تحریک اسلامی علامہ سید ساجد علی نقوی کو یہ کہ کر شہید کی نماز جنازہ پڑھانے سے باز رکھا گیا کہ شہید نے اپنی وصیت میں آغا راحت حسین حسینی کا نام دیا ہے کہ آپ نماز جنازہ پڑھائے لیکن بعض باخبر زرائع سے معلوم ہوا ہے کہ بعض حضرات نے ذاتی رنجش کی بنا پر اس کام سے آپ کو روکا تھا اور قائد محترم اس وصیت نامہ کے بارے میں استبصار کرتے رہے کہ آپکو اس وصیت نامہ کی کوئی کاپی دی جائے مگر ایسا نہیں کیا گیا چنانچہ مذہبی قیادت علم وعمل اور خلوص وتقویٰ کی صفات سے مربوط ہوتی ہے اور اس قسم کی مذہبی ذمہ داری کا حقدار ایسا باوصف انسان ہوتا ہے جس میں یہ صفات موجود ہوں لہذا علم وعمل اور خلوص و تقویٰ کے لحاظ سے حجت الاسلام والمسلمین سید راحت حسین الحسینی یقیناً آپ کا نعم البدل ہیں چونکہ کسی مسجد کا امام راتب شرعاً کسی اور کو نماز پڑھانے سے نہیں روک سکتا ہے اور یہ کوئی خاندانی وراثت نہیں ہے کہ ملوکیت کی طرح اپنے بیٹے یا بھائیوں کا نام لیا جائے اور نہ شہید نے ایسا لکھا ہے

علامہ شہید ضیاالدین رضوی نے اپنی پرثمر زندگی میں مکتب اسلام اور ثقافت جعفریہ کی ترویج کی خاطر مصائب و مشکلات جھیلے۔ آپکی زندگی کا مطمع نظر میں سے ایک خاص پہلو ملک کے اندر رائج نصاب تعلیم کا اصلاح بھی تھا اور اس حوالے سے آپ نے اپنی زندگی کی پرواہ نہیں کی اور نوبت بہ انجار سید مگر آپ کے فرمان پر جان بھی قربان کرنے کے دعویدار اور قدم بڑھاؤ ضیاء الدین ہم تمہارے ساتھ ہیں کے دعوا ادھورا رہ گیا اور آپ کی شہادت کے چار سال بیت رہے ہیں مگر ہر طرف خاموشی ہی خاموشی ہے لیکن اپنی نمبرداری کی خاطر لوگ پس پردہ غیر مہذب حرکتیں کرتے رہتے ہیں چنانچہ اس کتاب کے لکھنے سے ایک ماہ قبل تین صفحات پر مشتمل ایک یاد داشت نوجوانان ملت راولپنڈی کے نام سے لکھا گیا تھا اور اس یاد داشت نے میرے جذبات کو بیدار کر دیا اور میں نے اس کتاب کو لکھنے کا فیصلہ کیا مگر اپنے ضمیر پر دباؤ ڈال کر خاص حالات پر۔ سے پردہ ہٹانے کی کوشش نہیں کی ہے بقول میر انیس

خیال خاطر احباب چاہئے ہر دم ۔ انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

چنانچہ نوجوانان ملت روالپنڈی کی جانب سے بھیجے گئے اُس خط میں ان نامعلوم نوجوانوں نے اپنے دینی خدمات اور آغا شہید سے اپنی وفاداری کے علاوہ موجودہ قیادت کا نام لئے بغیر قومی فنڈ کے بے جا اخراجات کا ذکر بھی کیا تھا اور اس

کے علاوہ یہ اعلان بھی کیا گیا تھا کہ ہم آپ کے وفادار تھے وفادار ہیں اور وفادار رہنگے کا دعویٰ بھی تھا علم اخلاق میں قیادت سے وفاداری ضروری ہے مگر قیادت جس مقصد اور ادارے کی خاطر کام کرتی ہے اس ادارے اور اس کے منشور سے وفاداری شرط اول ہے۔ معاشرتی تہذیب میں شخصیت پرستی درست نہیں مقصد مقدم ہوتا ہے اور آغا شہید نے گزشتہ پندرہ سال میں جس مقصد کی خاطر اپنی جوانی کو داؤ پر لگایا تھا اس مقصد سے وفاداری فرض تھا لیکن ہم نے ان کی یہ وفاداری کو دیکھی کہ آپ کو خود اپنے گھر کے سامنے دہشت گردی کا نشانہ بنایا گیا مگر آج تک کوئی وفادار آغا کے اصل قاتلوں کی نشان دہی نہ کر سکا اور خاندان کی طرف سے نامزد لوگ آزاد رہے اور کوئی وفادار نامزد ملزموں کے خلاف بیان دینے کے لئے سامنے نہیں آیا اور اس غیر ضروری الزام کی وجہ سے ایک غیر معروف فرد کو ہیرو بنا دیا گیا اور یہ غیر ضروری الزام ایک سیاسی اشو بن گیا کیا یہ وفا اور یہ انداز وفاداری ہے جس جوان نے اپنی جان لڑا کر ایک دہشت گرد قاتل کو موقعہ پر گولی مار کر سب کی ناک رکھ لی تھی اس کو بھی کھڈے لگا دیا گیا کیا یہ وفاداری کا صلہ ہے اور ایسے پس پردہ وفاداریوں نے ملت کو بند گلی میں دھکیلا جہاں سے واپسی ممکن نہیں ہے اگر چہ شہید ضیاء الدین رضوی رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے جانثار محافظ جوانوں کی قربانی سرزمین شمال گلگت کا ایک عجیب واقعہ ہے اور یہ واقعہ اپنے پس منظر اور پیش منظر کے تناظر میں تاریخ

گلگت میں ہمیشہ کے لئے امر ہوگا اور ان کی اس قربانی کا صلہ ان کے خلوص نیت اور جذبہ ایثار کی روشنی میں ان کا رب رحیم عطا کریگا کیونکہ یہ شہدا اپنی ملت اور اپنے خالق کے سامنے سرخ رو ہو گئے ہیں اور یہ سب شہید ہیں ان کی جوانی پر ملت تشیع کی تاریخ ناز کریگی کیونکہ وہ اپنے قائد کے کام اور نام کے حوالے سے ہمیشہ زندہ باد رہینگے اور آنے والی نسلیں ان کو فراموش نہیں کریگی اور وہ شہید ضیاء الدین رضوی کے نام سے منسوب رہ کر زندہ رہیں گے اور شہید ضیاء الدین رضویؒ اپنی فکر اور اہداف کی بنا پر تابندہ رہیگا دنیا میں کوئی کام صرف اپنی اہمیت کی وجہ سے زیادہ اہم نہیں ہوتا ہے بلکہ انسان کے لئے اس کام کے انجام دہی میں خلوص نیت کی وجہ سے اس کی خاص اہمیت واضح ہو جاتی ہے جیسا کہ سابقہ سطور میں اشارہ ہوا ہے کہ مئی 1988ء کے سانحہ فاجعہ کے بعد ایک قدرتی اتحاد وجود میں آیا تھا اور مذہب کے نام پر ہونے والی دہشت گردی کی وجہ سے مکتب اہلبیت اور ثقافت جعفریہ کے خدائی اصولوں کو ایک بہت بڑا دھچکہ لگا تھا چنانچہ خطہ شمال گلگت کے لوگ کسی مخلص مذہبی قیادت کے محتاج تھے اس لئے شہید ضیاء الدین رضویؒ کی قیادت کو قبول کیا تھا شہید آغا نہ فقیہ تھے اور نہ کوئی شعلہ بیان پیشہ ور خطیب مگر آپ کے دل میں مذہب سے خلوص اور ایثار کا جذبہ تھا اس لئے آپ کی گفتگو میں متانت اور انداز بیان میں سنجیدگی تھی لیکن آپ کے سیاسی مشیروں نے آپ کی فکر کو عالمی سطح سے مقامی سطح کی

جانب موڑ دیا تھا اور آپ نے تقریب المذاہب اور اسلامی وحدت کلمہ کے مقابلے میں مذہبی اتحاد پر زیادہ زور لگایا اور عام لوگوں نے بھی دانستہ یا نادانستہ طور پر آپ کی تبلیغی گفتگو کو جذباتی انداز میں مناظرانہ رنگ میں ڈالنے کی کوشش کی اسی طرح آپ کا انداز بیان کسی مناظر خطیب کے انداز میں بدل گیا جب کہ مرکزی مذہبی قیادت کی فکر اور طرز بیان مناظرانہ رنگ سے الگ ہونا چاہیے کیونکہ قیادت کی باتوں کو لوگوں میں اہمیت دی جاتی ہے چنانچہ عام جذباتی لوگوں کی طرز ادا کی بدولت آپ کی طرف سے وحدت کلمہ اور کلمہ وحدت کی سابقہ کوششوں کا انداز بدل گیا تھا اور مذہبی سیاسی رنگ غالب آ گیا تھا اگرچہ دنیا میں اولاد آدم کے لئے سیاست مدن انبیاء کی وراثت چلی آرہی ہے چنانچہ ہر نبی اور رسول نے جہاں اخلاق حسنہ اور توحید باری تعالیٰ کا پیغام حق دیا تھا وہاں سیاست مدن اور سیاست عالم کا پیغام بھی دیا تھا مگر انبیا علیھم السلام نے سیاست دنیا کو اخلاق حسنہ اور توحید الھیہ کے تابع کر کے اس سیاست مدن کو سیاست الھیہ قرار دیا تھا اور نبی خاتم ﷺ نے مدینۃ النبی میں پہلی اسلامی ریاست قائم کر کے سیاست مدن اور سیاست عالم کے حوالے سے ایک جامع اور لازوال دستور العمل کو متعارف کرایا تھا اور نبی آخر زمان کی سیرت پر عمل کرتے ہوئے علی مرتضیٰ علیہ اسلام نے بھی ایک جامع سیاسی دستور متعارف کرایا ہے جو نہج البلاغہ کے اندر موجود ہے اور سیاست مدن کے روشن اصول آپ کی

امامت مطلقہ اور خلافت عامہ کے ابدی پیغام میں موجود ہے لیکن آج دنیا میں سیاست نبویہ اور سیاست علویہ پر عمل کا فقدان ہے اور اس عملی فقدان کی وجہ سے دنیا کی سیاست مغربی تہذیب و ثقافت میں رنگ گئی ہے اور ثقافت جعفریہ کا روشن پہلو مغربی ثقافت میں مدغم ہوا ہے چنانچہ دیکھا دیکھی لوگوں نے سیاست الہیہ کا رخ اپنے دنیاوی مفاد کی خاطر شیطانی سیاست کی جانب موڑ دیا ہے اس لئے سیاست کو دین پر اہمیت دیکر دنیا داری کی سیاست کو دین پر حاوی کر دیا گیا ہے چناچہ آج دنیا کی سیاست میں قدم قدم پر دھوکہ وفریب اور جھوٹ کو اہمیت حاصل ہے اور غیر مذہبی لوگ سیاست کو جھوٹ کا کھلا میدان کہتے ہیں اس لئے آج سیاست وہ میدان ہے جسکا کوئی قبلہ یا سمت نہیں ہے اس لئے سیاست دان ہر طرف تمنا اور خواہشات کے گھوڑے دوڑاتے ہیں اور مادر و پدر آزاد ہو کر اپنے خیال و تمنا کے مطابق کام کر گزرتے ہیں اور انسانیت کے اخلاق و اقدار کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے لوگوں نے دنیا کی زندگی کو دائمی اور آخرت کو ادھار قرار دیا ہے چنانچہ جب قضا اپنے ظالم پنجوں کو گاڑتا ہے تو اجل کے اس سخت پنجے کا شاہ و گدا سب نے سامنا کرنا ہے اور دنیا میں جو کچھ کیا ہے اس کی جزا یا سزا پانا حتمی امر ہے پس خلوص نیت کی معیار کے مطابق شہادت کی معیار کو جھانچا جاتا ہے مقام شہادت اور منزلت شہید ایک خاص موضوع ہے اور لفظ شہید کی اجمال اور تفصیل کے حوالے سے ربانی علماء نے قرآن

سنت کے حوالے سے اپنی کتابوں میں بڑی وضاحت کے ساتھ روشنی ڈالی ہے
چنانچہ قرآن مجید میں دو جگہ شہید کی منزلت اور مقام کی وضاحت سے ذکر ہوا ہے اور
حدیث مبارک میں بھی آیا ہے کہ شہید کے خون کا پہلا قطرہ روئے زمین پر گرتے ہی
رحمت الٰہی کے دروازے اس پر کھل جاتے ہیں اور وہ جنت کا حقدار بن جاتا ہے
چنانچہ ثقافت جعفریہ میں عام فہم طور پر شہید کے دو مقام ذکر ہوئے ہیں اور شہید کا
پہلا مقام اس فرد کے لئے خاص ہے جو نبی برحق اور امام معصوم کے حکم پر دین اسلام
کی بقاء اور ترویج کی خاطر قتل ہو جائے پس ایسے شہید کے لئے فقہ جعفریہ میں یہ
اعزاز ہے کہ اس مقتول کو بغیر غسل و کفن اور سدر و کافور و حنوط کے سپرد خاک کیا
جائے جیسا کہ بدر و حنین اور کربلا کے شہداء یا دیگر ائمہ معصومینؑ کے حکم پر قتل ہونے
والے وہ شہید تھے اور دوسرا شہید وہ ہے جس وجود امام معصوم کے بغیر مکتب اسلام کی
بقاء اور عزت و ناموس کی حفاظت اور ملکی دفاع کی خاطر جان دیدیں ان شہداء کا اجر
ان کے رب کے پاس ہے اور ان شہداء کو ان کی معیار معرفت اور خلوص کے مطابق
جزا ضرور ملے گا مگر فرق یہ ہے کہ ان شہداء کو دنیا میں رائج اسلامی احکام کے مطابق
غسل و کفن دیا جائیگا جیسا کہ ولی فقیہ کے حکم سے ایران و عراق جنگ میں ہوا تھا
چنانچہ حکم نبی یا حکم امام معصوم سے جو بھی اپنی جان قربان کر دے وہ شخص اللہ اور
بندوں کے درمیان وسلیہ قرار پاتا ہے اس لئے اس شہید کی قبر پر جا کر تلاوت

قرآن نماز نفل اور دعا کا تحفہ اس کے نام پر پڑھ کر اس سے توسل کیا جاتا ہے اور یقیناً ایسا بزرگ توسل کا حقدار ہوتا ہے پس دنیا میں اخلاق حسنہ کی ترویج اور تبلیغ اسلام کی خاطر دین اسلام کی خدمت کرتے ہوئے مرنے والے یا قتل ہو جانے والے خاص لوگ ہو گزرے ہیں جیسے اولیاء کرام جو دنیا کے گوشہ و کنار میں دفن ہوئے ہیں ان کی اسلامی خدمات کی یاد میں ان کے بلندی درجات کے لئے دعا کرنا چاہئے تا کہ ہماری دعاؤں سے ان اولیاء اور شہداء کی منزلت میں اور اضافہ ہو اور خداوند عالم کی خوشنودی کی خاطر دعا کرنے والے کی دلی مراد خدا پوری کرتا ہے چنانچہ غیر معصوم اولیاء اور عام شہداء کی قبروں پر جا کر ان سے ہی توسل کرنا یعنی ان سے ہی مانگنا جائز نہیں ہے البتہ ان کے بلندی درجات کے لئے دعا کرنا اور اس دعا کا صلہ اپنے پروردگار سے مانگا جاسکتا ہے چونکہ عوام الناس ان خاص اہم علمی مسائل سے آگاہ نہیں ہوتے ہیں اور فقط اندھی تقلید کی بنا پر دین اسلام اور ثقافت جعفریہ کے روشن اصولوں کی معرفت کے بغیر وہ غیر شرعی مسائل میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور اس بے علمی کی وجہ سے لوگ ثواب کے بدلے گناہ کے مرتکب ہو جاتے ہیں چنانچہ چند سال قبل گلگت شہر میں چھوٹا فقیر کے نام سے ایک شخص آیا تھا اور ہزاروں کی تعداد میں غرض مند لوگ اس کے پاس آتے تھے اور اس سے دم دعا کراتے تھے قرآن مجید کی آیات مبارکہ شفا ہیں قرآن سے دم دعا کرنا کوئی غیر شرعی کام نہیں ہے مگر ان آیتوں کو غلط

انداز میں استعمال کرنا صحیح نہیں ہے اور اس نام کے چھوٹے فقیر نے پہاڑ کے دامن
میں ایک جھنڈا لگایا تھا بذات خود علم لگانا کوئی غیر شرعی کام نہیں ہے اور عقیدت مندی
کا اظہار ہے مگر خواتین و حضرات کی طرف سے اس علم تک جانیکا کچھ وضعی رسومات
اور آداب غیر شرعی اور غیر ضروری ہیں اس دور میں مولوی صاحبان نے اس عمل کے
غیر شرعی اثرات کی مخالفت نہیں کہ بلکہ پارٹی بازی کے طور پر اس چھوٹے فقیر کی
مخالفت کی گئی جب کہ اصل مسئلہ دین اسلام میں غیر ضروری رسومات کا اضافہ تھا اور
ان غلط رسومات کا سد باب کرنا چاہئے تھا اسی طرح دو سال قبل بعض بزرگوں کے
نام کے حوالے سے ایک علم لایا گیا اور اس علم کی خوب تشہیر کی گئی اور عوام الناس نے
اس سے بھی اظہار عقیدت کیا پاکستان میں تقریباً ہر امام بارگاہ میں کربلائے معلا
سے منسوب علم موجود ہیں مگر اس علم کو بعض بزرگوں سے نسبت دیکر مشہور کرنے کی
کوشش کی گئی بدقسمتی سے بعض سیاسی فکر رکھنے والے جذباتی لوگوں نے اس طرز ادا کو
بھی مولویوں کا سیاسی حربہ قرار دیکر اس کو بدنام کرنے کی کوشش کی عوام الناس اندھی
تقلید کے قائل ہوتے ہیں ان کو ایسی غیر ضروری رسوم میں نہ پھنسایا جائے تا کہ اسی
طرح ان کا عقیدہ اور ایمان کمزور نہ ہو شہید ضیاء الدین رضویؒ کا خوبصورت مقبرہ
بنایا گیا ہے اور خواتین و حضرات کی بڑی تعداد آپ کے مقبرے پر دعا اور تلاوت
قرآن پاک کرتی ہے اگر یہ دعا اور تلاوت قرآن شہید کی بلندی درجات کے نام پر

ہوتو بہت بہترین عمل اور کار ثواب ہے اور اگر کوئی اپنے لئے توسل اور حاجت طلب کرنے کی خاطر کرے تو فقہی لحاظ سے درست نہیں ہے اس حوالے سے آداب دعا اور تلاوت قرآن مجید اور قبور مومنین کی زیارت کے آداب سے عوام الناس کو آگاہ رکھنے کا اہتمام ہونا چاہئے تا کہ لوگ غیر ضروری رسومات میں گرفتار نہ ہوں اسی طرح آج بھی دنیور میں سید سلطان علی شاہ عارف حسینی جلالی کے مقبرے پر جمعہ اور جمعرات کو زائرین کی آمد و رفت ہوتی ہے اور آداب دعا سے ناواقف لوگ غیر شرعی رسومات فقط ان سے توسل کے نام پر انجام دیتے ہیں جو شرعاً جائز نہیں ہے کیونکہ عقیدت مندی کی وجہ سے شرعی اصول ساقط نہیں ہوتے ہیں اس حوالے سے میں اپنی ایک مثال پیش کرتا ہوں جسکی تفصیل میں نے اپنی کتاب اسلام گلگت میں لکھا ہے آج سے تقریباً پچاس سال قبل راقم نوبتی بخار میں مبتلا ہوا تو سید سلام شاہ المعروف پنجابی سید کی مطلقہ بیوی سیدہ سکینہ زی زی نے میری والدہ سے کہہ کر سید سلطان علی شاہ عارف دنیور کے مقبرے کی زیارت کرانے کے لئے لیکر گئیں امھری دنیور میں آپ کے آستانے پر گئے پہلے فاتحہ پڑھا پھر مٹی کی دیوار سے تھوڑی مٹی اٹھا کر بسم اللہ پڑھ کر مجھے کھلائی گئی اس کے بعد میں جلد صحت یاب ہو گیا اگر چہ یہ طریق کار عقیدت مندی کا ایک خاص انداز تھا مگر مراجع عظام نے فقہی کتابوں میں لکھا ہے کہ خاک شفاء کے علاوہ مٹی کھانا حرام ہے اسی طرح بزرگوں اور شہداء

سے عقیدت رکھو اس میں روحانی فوائد ہیں مگر اس خاص عقیدت کی وجہ سے دین اسلام اور ثقافت جعفریہ کی توھین نہ ہو چونکہ غیر شرعی کاموں سے روکنا نہی عن المنکر اور اچھے کاموں کی جانب راہنمائی کرنا امر بالمعروف ہے اور فروعی کاموں میں ان بنیادی مسائل سے واقف ہونا بہت ضروری ہے چنانچہ کس بزرگ اور شہید کی موت کی معرفت اور اس کے حقائق سے اچھی طرح آگاہ رہ کر اس بزرگ یا شہید کے بلندی درجات کے لئے دعا کیجائے تاکہ دعا کرنے والے کو زیارت قبور مومنین کا ثواب ہے اور یہ عمل سنت رسولؐ اور حکم ائمہ معصومین علیہ السلام کی روشنی میں باعث اجر و ثواب ہے۔

﴿رضوی سے حسینی تک﴾

خاندان نبوت کے چوتھے امام حضرت علی زین العابدینؑ ابن امام حسینؑ ابن علیؑ ابن ابیطالب علیہم السلام ہیں آپ کی والدہ گرامی قدر بی بی شہر بانو بقولے شاہ زنان بنت یزدجرد شاہ ایران تھیں امام علی زین العابدین کی تاریخ ولادت میں اختلاف ہے پھر بھی صحیح قول پندرہ جمادی الاول ۳۶ھ ہجری یا پانچ جمادی الاول ۳۸ھ ہجری لکھا گیا ہے اور آپ کی تاریخ وفات میں بھی اختلاف ہے مگر جمہور علماء نے ۲۵ محرم ۹۵ھ ہجری لکھا ہے اسی طرح جناب شیخ کلینی رحمۃ اللہ علیہ نے معتبر سند کے ساتھ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت نقل کی ہے کہ وفات کے وقت آپ کی عمر مبارک ۵۷ سال تھی اور ہشام بن عبدالملک کی سازش سے ولید بن عبدالملک نے آپ کو زہر دیا تھا چنانچہ کتاب کفایۃ الاثر میں عثمان بن خالد سے روایت کی ہے اور وہ کہتا ہے جب امام علی زین العابدین ابن امام حسین علیہم السلام بیمار ہوئے تو آپ نے اپنی اولاد کو جمع کیا علماء عامہ وخاصہ نے آپ کی اولاد کی تعداد 15 بتائی ہے اور ان میں 11 لڑکے اور چار لڑکیاں لکھا ہے اس دوران آپ علیہ

السلام نے محمد حسن عمر الاشرف زید حسین کو جمع کیا اور تمام بیٹوں میں سے محمدؑ کو اپنا وصی و جانشین مقرر فرمایا اس لئے تمام امور اور جملہ اولاد کی سرپرستی آپ علیہ السلام کے سپرد کیا آپؑ علم و فضل و کمال کی وجہ سے باقر کے لقب سے ملقب ہوئے چنانچہ امام علی زین العابدینؑ نے اپنے نورِ نظر سے بہت سی نصیحت آموز مواعظ بیان فرمایا ہے اور ان میں سے یہ ارشادات بھی ہیں بیٹا عقل روح کی بھیجی ہوئی صفت ہے اور علم عقل کی بھیجی ہوئی چیز ہے وقت کی گھڑیاں تیری عمر کو لئے جا رہی ہیں تو کسی نعمت تک ایک نعمت کے جدا ہوئے بغیر نہیں پہنچ سکتا ہے لمبی امیدوں سے پرہیز کرو کیونکہ کتنی تمنائیں اور امیدیں رکھنے والے تھے جو اپنی تمناؤں کو نہیں پہنچ سکے ہیں مال جمع کیا مگر کھا نہ سکے۔

آپؑ کی اولاد و امجاد میں جناب زید شہید رحمۃ اللہ علیہ اور عمر الاشرف الگ ماں سے تھے عبداللہ حسن و حسین الگ ماں سے تھے اور جناب حسین الاصغر عبدالرحمٰن اور سلیمان الگ ماں سے تھے اور دیگر اولاد الگ الگ ماؤں سے تھیں اس اجمال کی تفصیل تاریخ اسلام کی کتابوں میں موجود ہے چونکہ امام علی زین العابدین علیہ اسلام کی اولاد کی فہرست میں دو نام حسین کے آئے ہیں جناب شیخ مفید رحمۃ اللہ علیہ نے ایک حسینؑ ابن علیؑ کی توصیف لکھا ہے اور دوسرے بعض علماء نے حسین الاصغر کے نام سے توصیف و تعریف کی ہے اس حوالے جس صاحب علم اور صاحب

اولاد کی توصیف ہوئی ہے وہ جناب حسین الاصغر ہیں آپ کی کنیت ابو عبداللہ تھی آپ عالم محدث اور پاک دامن تھے اس لئے علماء کی ایک جماعت نے آپ سے نقل حدیث بھی کیا ہے اور آپ کا انتقال ۱۵۶ ہجری میں ہوا ہے اور ۷۴ سال کی عمر میں وفات پائی اور جنت البقیع مدینہ منورہ میں دفن ہوئے ہیں چونکہ جناب حسین الاصغر رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد کا سلسلہ نسب بہت پھیلا ہوا ہے اس لئے آپ کی اولاد حجاز عراق بلاد عجم مغرب و کشمیر اور شمالی علاقہ جات گلگت بلتستان اور دیامر کے قصبات اور شہروں میں پھیلی ہوئی ہے سادات کے شجرہ نسب میں بطور خطاب لفظ میر بھی استعمال ہوا ہے اور یہ لفظ ان کے ساتھ مخصوص ہے جنکو بڑے عہدے ملے تھے چنانچہ جناب حسین الاصغر رحمۃ اللہ علیہ کی اولاد میں بڑا نام جناب عبید اللہ اعرج کا تھا آپ کی کنیت ابوالحسن تھی آپ اولاد ابو طالبؑ میں نہایت کریم صاحب روع فاضل پرہیز گار اور زاہد تھے آپ والی خراسان ابو سلم کے پاس گئے تو آپ کو وہاں پر ذی امران باذی امان میں جاگیر ملی اسی طرح آپ کی زندگی بڑی پرسکون گزری اور اسی جگہ پر آپ کا انتقال ہوا چنانچہ عبید اللہ عرج کی نسل کا سلسلہ آپ کی چار اولاد سے چلی ہے اس لئے سادات حسینی کا سلسلہ نسب بڑا وسیع ہے اور پوری دنیا کے گوشہ و کنار میں اس شجرہ نسب کے سادات موجود ہیں۔

چنانچہ سادات حسینی شمالی علاقہ جات گلگت بلتستان اور دیامر الگ الگ

اجداد کے سلسلوں سے منسوب ہیں ان میں سادات حسینی گلگت نگر نومل تا نگیر ہراموش بگروٹ اور جلال آباد شامل ہیں چونکہ سادات حسینی ہیراموش اور دنیور سید شاہ زمان حسینی کے سلسلہ نسب سے تعلق رکھتے ہیں اور سادات حسینی شروٹ بگروٹ اور جلال آباد سید وزیر شاہ حسینی کے چھ بیٹوں ہیں سید سخاوت شاہ حسینی، سید مصطفیٰ شاہ حسینی، سید امیر شاہ حسینی، سید حسینی اور سید حسین تھے۔ اسی طرح سید محمد حسین نجفیؒ ولد سید امیر شاہ، جلال آباد تھے اور سید عباس علی شاہ نجفی ولد سید مختار حسین شاہ حسینیؒ بگروٹ تھے اسی طرح سید حسین اکبر المعروف سید وزیر شاہ او شکمنداس اور سید ضمیر حسین شروٹ وغیرہ کے جد اعلیٰ بھی سید وزیر شاہ حسینی تھے۔

سید محمد حسین نجفی رحمۃ اللہ علیہ

جناب سید محمد حسین المعروف آغا بلکور جناب سید امیر شاہ حسینی کے گھر میں
پتھر اور غار کے نام سے مشہور پہاڑی گاؤں بلکور جلال آباد گلگت میں پیدا ہوئے اور
اسی گاؤں کی نسبت سے آغا بلکور مشہور و معروف ہوئے سادات کی خاندانی وراثت
کے طور پر گھر پر قرآن مجید ختم کیا اور ابتدائی دینی تعلیم کے بعد مزید دینی تعلیم کی خاطر
سرزمین علم و عمل نجف اشرف چلے گئے اور باب مدینۃ العلم نجف میں چند سال پڑھ
کر اپنا وطن مالوف بلکور جلال آباد گلگت واپس آگئے آپ نہایت ذہین اور معاملہ فہم
تھے اس لئے اپنی اس خداداد صلاحیت کی بدولت جلد ہی سیاسی مذہبی اور تبلیغی
خدمات کے حوالے اپنے گاؤں بلکور جلال آباد سے باہر پورے سات مکسوہ گلگت
میں آپ کی شہرت پھیل گئی اور آغا بلکور کے نام سے لوگ آشنا ہوئے اور سید محمد حسین
نجفی کی جگہ آغا بلکور آپکا اسم ثانی بن گیا آپ ایک منجھے ہوئے خطیب کے علاوہ بڑے
دانشمند اور صاحب فہم و فراست بھی تھے فرقہ ورانہ تعصب سے دور تھے اور مذہبی
تعصب سے نفرت کرتے تھے اس لئے انسانی ہمدردی آپ کے دل میں بھری ہوئی
تھی اپنے سخت موقف کے باوجود جلد نرم پڑ جاتے تھے آپ نے گلگت کی علاقائی
سیاست اور ممبری سے بھی تعلق رکھا اور علاقائی قومی خدمات کے حوالے سے آپ

سید محمد حسین حسینی نجفی جلال آبادی عمامہ لباس میں
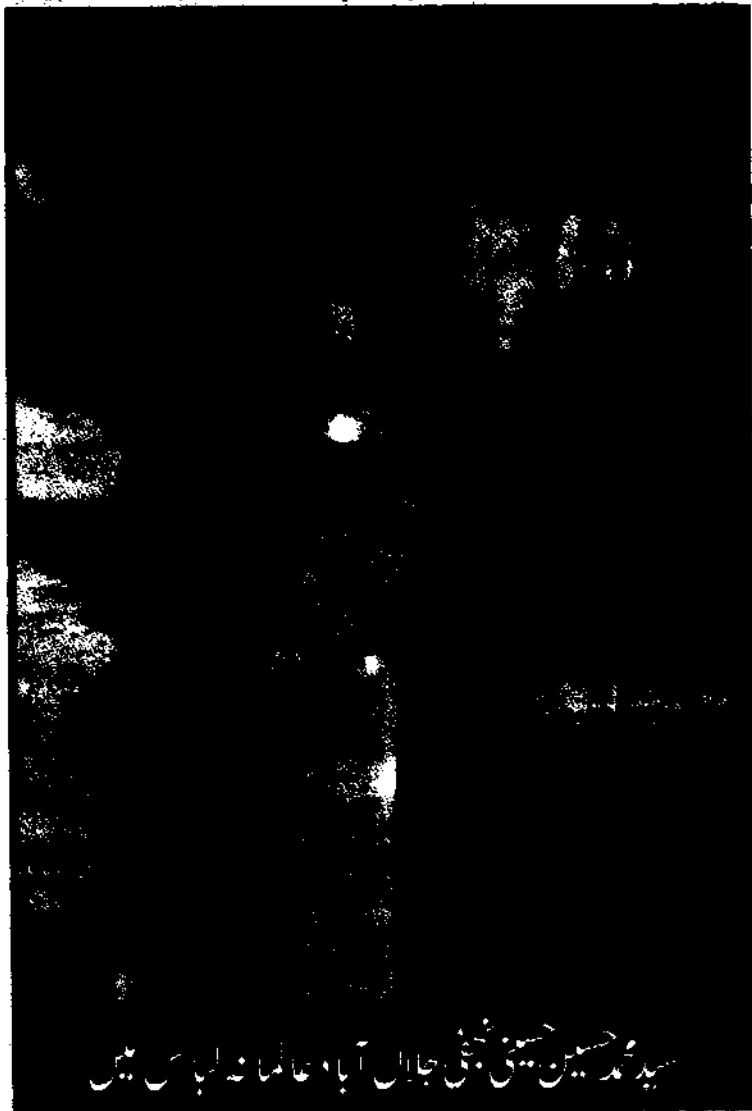
گلگت کی قدیم اور مشہور تنظیم انجمن امواد المسلمین حلقہ ۳ کے بانی ممبران میں سے سر فہرست تھے اس لیے آپ کی دانشمندانہ پرخلوص کوششوں سے امامیہ بگروٹ ہاسٹل کے نام سے طلباء کے لیے ایک رہائشی قیام گاہ کی بنیاد رکھی گئی اور آپ کی سیاسی بصیرت اور کوشش کے طفیل انجمن امواد المسلمین حلقہ ۳ کے نام پر زمین حاصل کی گئی اور اسی طرح مقامی حکومت کے افراد سے خاص تعلق کی بنا پر امامیہ بگروٹ ہاسٹل کنوداس کی تعمیر میں بھرپور خدمات انجام دیے اور اس اقامت گاہ اور انجمن کی بہبود میں ہمہ وقت لگے رہتے تھے آپ نے اپنے تاحیات بانی ممبران سے ملکر حلقہ ۳ کے علاوہ پورے علاقے سے تعلیمی پست ماندگی دور کرنے کی خاطر قابل ذکر اور قابل قدر کام کیئے راقم اور آغا موصوف نے گزشتہ چوبیس سال اس فلاحی تنظیم انجمن امداد المسلمین حلقہ ۳ کے صدر اور جنرل سکریٹری کی حیثیت سے کام کیا آپ اپنے انتقال کے وقت بھی اس ادارے کے صدر تھے دارالخلافہ گلگت سے منسوب ہو کر بڑے سیاسی اور مذہبی نشیب و فراز آئے مگر آپ نے اپنے بانی ممبران سے ملکر ان مسائل کا بھرپور مقابلہ کیا اور امامیہ بگروٹ ہاسٹل کو مکمل کیا بعد میں راقم کی کوششوں سے اسی بگروٹ ہاسٹل میں جامع امام صادق کے نام سے قائم مدرسے کے پرنسپل بنے اور اس کے ساتھ سکول اور کالج میں پڑھنے والے طلباء جو اسی قیام گاہ میں رہتے تھے نگرانی اور سرپرستی بھی کی چنانچہ جب قدیم ہاسٹل کی دوبارہ مرمت کے علاوہ جدید

دور کے تعلیمی ضروریات اور قوم کو اس علمی سرعت رفتار سے ہم آہنگ کرنے کی خاص ضرورت محسوس ہوئی تو بانی ممبران نے شرعی بنیاد پر اس بگروٹ امامیہ ہاسٹل اور جامع امام صادق کی تولیت مرجع وقت کے نام پر کرنیکا فیصلہ کیا اور دفتر نمائندہ امام خمینی مقیم لاہور کی سرپرستی میں دیا مگر بدقسمتی سے ہمارے ساتھ جو ناروا سلوک ہوا اس پر ہمیں بے حد دکھ پہنچا اور غیروں کے سامنے ہمیں شرمندگی اٹھانی پڑی اور اس ناروا سلوک سے ہماری ملت نے بڑا مالی اور تعلیمی نقصان اٹھایا اس غیر اخلاقی اور غیر شرعی سلوک کی تفصیل لکھنے سے میرا قلم معذور ہے اسی طرح امامیہ بگروٹ ہاسٹل کی بربادی کے بعد دم تحریر موجود نئی تعمیر شدہ حالت بھی سید محمد حسین نجفی المعروف آغا بلکورؒ کے جذباتی فیصلے کا مرہون منت ہے ورنہ آج یہ حالت بھی نہ ہوتی اسی طرح آغا موصوف کی خلوص نیت اور خداداد صلاحیت کی بدولت دارالخلافہ گلگت کے لوگوں نے آپ کی بصیرت پر اعتماد کر کے مرکزی انجمن امامیہ گلگت میں ایک انقلابی تبدیلی لا کر بڑے نامور علماء کو انجمن امامیہ سے الگ کر کے 1974ء میں آغا بلکور کو صدر انجمن امامیہ گلگت چنا اور راقم آپکا سکریٹری مقرر ہوا اس خاص تبدیلی کے بعد بعض خاص حضرات کی خاطر مقامی انتظامیہ نے مرکزی انجمن امامیہ گلگت پر سخت دباؤ ڈالا مگر آغا موصوف نے اپنے مخلص ساتھیوں کے تعاون سے اس خاص دباؤ کا بھرپور مقابلہ کیا اس روئیداد کی اجمال میں نے اپنی کتاب زندگی کی بارات

میں لکھا ہے اور اس دور میں پاکستان کی آسمان سیاست پر پاکستان پیپلز پارٹی کا ستارہ چمک رہا تھا اس لئے گلگت وبلتستان میں بھی اس عوامی پارٹی کو پذیرائی ملی تھی چنانچہ پارٹی کی مقامی قیادت نے مذہبی مرکز میں مداخلت کرنا چاہا تو آپ نے اپنے ساتھیوں کے تعاون اور اپنی حکمت عملی سے اس سیاسی دباؤ کو مذہبی مرکز سے دور رکھا کیونکہ آپ مذہبی مرکز کو اس خطہ بے آئین کی سطحی سیاست سے الگ رکھنا چاہتے تھے۔

بدقسمتی سے آپ دارالخلافہ گلگت سے دور بلکو رجلال آباد میں رہ کر اپنے گھریلو مصروفیات کی وجہ سے مرکز کو پورا وقت نہ دے سکے اس لئے آپ نے انجمن امامیہ گلگت کی صدارت سے استعفاء دیا اور اسی طرح بعد میں ملت شیعہ خیر البریہ کے مسائل اور مطالبات کے حوالے سے تحریک نفاذ فقہ جعفریہ پاکستان کے نام سے پورے ملک میں کام ہو رہا تھا اس حوالے سے علامہ شیخ غلام محمد نجفی رحمۃ اللہ قائد شمالی علاقہ جات کی سربراہی میں نگرل گلگت میں تنظیمی اجلاس ہوا اور اس نمائندہ اجلاس میں سید محمد حسین نجفی المعروف آغا بلکو رکو تحریک نفاذ فقہ جعفریہ گلگت کا صدر چنا گیا آپ نے بڑی دیانت داری اور خلوص کے ساتھ اس ملی تنظیم کے لئے بھرپور کام کیا لیکن مئی 1988ء کے سانحہ فاجعہ کے بعد تحریک نفاذ فقہ جعفریہ کے اندر مالی بے ضابطگیوں کی وجہ سے آپ نے اپنے عہدے سے استعفاء دیا اور اب ان سے

ضابطگیوں کے پس منظر کے بارے میں بات کرنا بے محل اور غیر ضروری ہے اس لئے صرف نظر کرتا ہوں کیونکہ اس پس منظر میں بڑے پردہ نشینوں کے نام آتے ہیں پس

خیال خاطر احباب چاہئے ہردم۔ انیس ٹھیس نہ لگ جائے آبگینوں کو

سید محمد حسین نجفی المعروف آغا بٹلکوڑ اپنے عزم وارادے میں بھی بٹ پتھر کور غار کی طرح غیر متزلزل تھے اور اپنی بات پر ڈٹے اور اڑے رہتے تھے مگر آپ کی دانشمندی خلوص نیت اور دیانت داری کی وجہ سے آپ کی سخت ڈٹائی کو بھی قبول کیا جاتا تھا بانی وصدر انجمن امداد المسلمین حلقہ ۳ اور جنرل سکریڑی کے ناطے ہم دونو میں ہر وقت نوک جھونک تو تکار تک بڑھ جاتی تھی مگر مقصد ایک اور نیک ہوتا تھا اس لئے چوبیس سالوں کے دوران ہم دونوں میں کبھی خفگی نہیں ہوئی تھی آپ ہنس مکھ ملنسار دوٹوک اور کھری بات کرتے تھے اس طویل مذہبی سفر کی تفصیل لکھوں تو ایک کتاب ہوگی آپ وحدت ملت کے داعی تھے اور امت مسلمہ کے اتحاد ویکجہتی کے حوالے سے فکر مند رہتے تھے اور اپنی علالت کے دوران بھی اتحاد امت محمدیہ اور انجمن امداد المسلمین اور امامیہ بگروٹ ہاسٹل کی بابت فکر کرتے تھے اور اپنی مختصر علالت کے بعد مورخہ 26 جون 2002 کو اس دار فانی سے مقام جاودانی کی طرف عازم سفر ہوئے اور سرزمین جلال آباد میں آسودہ خاک ہوئے۔

حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھے

اسی طرح آغا محمد حسین حسینی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی اولاد و احباب اور خاندان کے علاوہ انجمن امداد المسلمین حلقہ ۳ کے ساتھ پورے سات مکسوہ گلگت کو سوگوار کردیا آغا موصوف نے اپنی پر ثمر زندگی میں بہت سے کارہائے نمایاں انجام دیئے مگر ان سب کاموں کے مقابلے میں قابل ذکر کام اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت بھی تھی آپ کے آٹھ لڑکے ہیں اور سب کے سب صالح خلیق اور تابعدار ہیں ایسی صالح اولاد والدین کے لئے توشہ آخرت ہوتی ہے اور میرے نزدیک آخرت کا سب سے بڑا توشہ آپکا عالم و فاضل بیٹا آغا راحت حسین الحسینی دام ظلہ ہیں جو خلوص نیت کے ساتھ اپنا علم و عمل کو اپنے والد بزرگوار کے چھوڑے ہوئے مشن کو آگے بڑھانے میں مشغول ہیں خدا آپ کی مدد کرے اور آپ کی توفیقات میں برکت عطا کرے۔

شجرہ نسب

سید الشہداء امام حسین علیہ السلام کا بیٹا امام علی زین العابدین علیہ السلام آپکا بیٹا ابو عبداللہ سید حسین الاصغر آپکا بیٹا عبداللہ اعرج آپکا بیٹا سید میر عبداللہ آپکا بیٹا سید میر اکبر المحدث آپکا بیٹا میر سید اکبر آپکا بیٹا سید میر عبداللہ آپکا بیٹا سید میر محمد اکبر آپکا بیٹا سید میر مختار آپکا بیٹا سید علی شاہ آپکا بیٹا سید عالم آپکا بیٹا سید میر عبداللہ آپکا بیٹا سید میر ابرار آپکا بیٹا سید میر جعفر آپکا بیٹا سید قاسم علی آپکا بیٹا سید میر علی حسن آپکا بیٹا سید میر ابوالقاسم آپکا بیٹا سید میر ابوالوحارث آپکا بیٹا سید عالم آپکا بیٹا سید میر ابونصر آپکا بیٹا سید میر ابراہیم آپکا بیٹا سید الشمس الدین آپکا بیٹا سید میر داد آپکا بیٹا سید میر شجر آپکا بیٹا سید میر معصوم شاہ آپکا بیٹا سید محمد احمد آپکا بیٹا سید وزیر شاہ آپکا بیٹا سید امیر شاہ آپکا بیٹا سید محمد حسین نجفی المعروف آغا بلکور آپ کے آٹھ بیٹے اور تین بیٹیاں ہیں بیٹوں میں ڈاکٹر سید شبیر حسین سید اجلال حسین مدرس سید امجد علی سید راحت حسین سید شفقت حسین سید ادیب حسن سید ظفر حسن اور سید اشتیاق حسین ہیں۔

﴿سید راحت حسین الحسینی دام ظلہ﴾

جناب سید راحت حسین نے 10 اپریل 1971 عیسوی میں جناب سید محمد حسین نجفی المعروف آغا بلکور حسینی کے گھر بلکور جلال آباد گلگت میں آنکھ کھولی آپ سید محمد حسین حسینی نجفی کے چوتھے بیٹے ہیں آپ نے سادات کے اس علمی گھرانے میں دینی ماحول میں پرورش پائی اسطرح گھر میں مذہبی تعلیم کے ساتھ گورنمنٹ بوائز ہائی سکول جلال آباد میں زیر تعلیم رہے اور سکول کی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد اپنے والد بزرگوار کی ترغیب وتشویق پر آپ دینی تعلیم کی طرف راغب ہوئے چنانچہ ستمبر 1986 میں آپ نے بلکور جلال آباد کو خیر باد کہا اور پاکستان کی مشہور دینی درسگاہ مدرسہ جعفریہ کراچی میں داخلہ لیا اسی طرح استاد العلماء حجۃ الاسلام و المسلمین شیخ نوروز علی نجفی دام ظلہ پرنسپل مدرسہ جعفریہ کراچی کی سرپرستی میں اپنے دینی تعلیم کا کامیاب سفر شروع کیا آقائے شیخ نوروز علی نجفی علم دوست نبض شناس اور درس وتدریس میں استاد عالم دین ہیں چنانچہ موصوف نے حسب عادت اس نوخیز سید زادے پر خصوصی توجہ دی اس کے علاوہ مدرسہ جعفریہ کے مہتمم حجۃ الاسلام شیخ مستان علی نجفی دام ظلہ سے بھی کسب فیض کیا اور اسی درس وتدریس کے تعلق کے حوالے سے آغا موصوف آپ کی دامادی میں آگئے اور بڑی مدت کے بعد خدا نے

آپ کو اولاد نرینہ سے نوازا اور اس چھوٹے شاہزادے کا نام اپنے والد گرامی قدر کے نام سے منسوب کر کے سید محمد حسین رکھا ہے۔

چنانچہ سید راحت حسین الحسینی دام ظلہ نے جامع المقدمات سیوطی اور معالم الاصول وغیرہ کتابوں کے علاوہ شرح لمعہ کو کتاب زکواۃ تک اس مدرسہ عالیہ میں پڑا اور چھے سال تک اس مدرسہ میں کسب فیض کیا اس دوران پانچ سال تک زیر تعلیم طلباء کو جامع المقدمات سیوطی منطق اور معالم جیسی کتابیں پڑھاتے رہے آپ کو درس پڑھانے کا ڈھنگ آجاتا ہے میرے عزیز بیٹا اشتیاق حسین انجم نے بھی قم مقدس میں شرح لمعہ جلدیں آپ سے پڑا ہے بقول اس کے آغا راحت حسین ایک اچھے تجربہ کار استاد ہیں آپ کا درس بہت آسانی سے دل میں اتر جاتا ہے اور بقول آغا موصوف اشتیاق حسین انجم جیسا ذہین وفطین طالب علم میں نے نہیں دیکھا ہے من ترا حاجی بگویم تو مرا قاضی بگو والی بات نہیں ہے اور آغا موصوف کی علمی استعداد اور انداز بیان کو درس اخلاق کے تناظر میں دیکھا جائے تو آپ کے اندر ایک باوصف معلم کے صفات پائے جاتے ہیں آپ کم گو منکسر المزاج اور خلیق انسان ہیں راقم کو آقائے شیخ نوروز علی نجفی سے عقیدت مندی ہے اس لئے جب بھی کراچی جاتا ہوں آپ کی زیارت کے لئے جاتا ہو چنانچہ 1990ء میں آغا محمد حسین نجفی کے خصوصی حکم پر مدرسہ جعفریہ کراچی گیا تھا اور آغا راحت حسین الحسینی

سے ملاقات ہوئی اس دوران آغا موصوف نے خدمت کی انتہا کردی اپنی کپڑے مجھے پہنا کر میرے کپڑے خود دھو کر استری کر کے مجھے پہنایا آپ کا یہ انکسار اور طرز ادا آپ کی عظمت اخلاق اور انکساری کی دلیل ہے اور اس عظمت اخلاق حسنہ نے میرے دل میں جگہ بنا دیا ہے اور میں آج تک آپ کا گرویدہ ہوں اور آج بھی وہ مجھے استاد کے نام سے یاد کرتے ہیں چنانچہ 1992 میں آپ نے مکتب و مدرسہ کی تعلیم مکمل کر کے مدرسہ جعفریہ کراچی اور پاکستان کو خیر باد کہا اور سرزمین علم و دانش قم ایران چلے گئے اور 2002 تک علماء کا مسکن قم میں کسب فیض کرتے رہے آپ نے دینی تعلیم کی آخری کتابیں شرح لمعہ جلدین اصول فقہ جلدین بدایۃ الحکمت نہایۃ الحکمت، رسائل و مکاسب اور کفایہ جلدین کی تعلیم و تعلّم کے ساتھ دیگر علوم متداولہ میں بھی مہارت حاصل کیا چنانچہ سطحیات کی آخری ڈگری تک تعلیم حاصل کرنے کے بعد تین سال تک اجتھاد و فقاہت کی سطح کے درس خارج میں شریک رہے چنانچہ علم فقہ میں حضرت آیت اللہ العظمی شیخ الفقہا۔ شیخ محمد فاضل لنکرانی رحمۃ اللہ علیہ سے اور علم اصول میں حضرت آیۃ اللہ وحید خراسانی دام ظلہ کے درس خارج میں شریک رہے اسی طرح علم اخلاق کے دروس حضرت آیۃ اللہ علی پناہ اجتھاردی دام ظلہ، حضرت آیۃ اللہ تحریری دام ظلہ، حضرت آیۃ اللہ مصباح یزدی دام ظلہ اور حضرت آیۃ اللہ علی مشکینی رحمۃ اللہ علیہ جیسے نابغہ روزگار علماء اخلاق سے کسب فیض کیا ہے اس لئے آپ

کی علمی استعداد اور شرافت نفس کی صفات کے پیش نظر حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ شیخ محسن علی نجفی دام ظلہ نے اسلام آباد پاکستان کی عظیم دینی درسگاہ الکوثر یونیورسٹی میں پڑھانے کے لئے بطور استاد دعوت دی چنانچہ آپ 2002 عیسوی میں قم مقدس کو چھوڑ کر اسلام آباد پاکستان تشریف لائے اور الکوثر یونیورسٹی میں زیر تعلیم سینئر طلباء کی تعلیم و تربیت میں مشغول رہے اسی طرح آپ اصول فقہ جلدیں شرح لمعہ جلدین اور رسائل و مکاسب جیسی عظیم علمی کتابوں کی تدریس کرتے تھے اور ساتھ ہی جامعہ الکوثر اسلام آباد پاکستان کی عظیم الشان مسجد میں نماز کی امامت بھی کراتے تھے۔ چونکہ الکوثر یونیورسٹی اسلام آباد جیسے عظیم ادارے میں آپ کو عزت و احترام کے علاوہ بڑے مالی اور علمی فوائد حاصل تھے اور اس علمی پرسکون ماحول میں رہ کر اپنا اجتہاد و فقاحت کے لئے بھی کام کر سکتے تھے مگر وہی ہوتا ہے جو منظور خدا ہوتا ہے

بدقسمتی سے 8 جنوری 2005 کو آغا ضیاء الدین رضوی پر قاتلانہ حملہ ہوا آپ کو کمبائنڈ ملٹری ہسپتال راولپنڈی لے جایا گیا تو آپ اس دردناک سانحے کے اثرات سے پریشان ہوئے اور پروانے کی طرح ہسپتال کے آس پاس گھومتے رہے کیونکہ علم و سیادت کے علاوہ آپ کے ساتھ خاندانی رشتہ بھی تھا چنانچہ شہید ضیاء الدین رضویؒ کے انتقال پر ملال کے بعد شہید کے جنازے کے ساتھ گلگت آئے اور

آغا شہید ضیاء الدین رضوی ؒ کی وصیت کے مطابق آپ کی نماز جنازہ پڑھائی اسی طرح شہید کی تکفین وتدفین کے بعد آپ واپس جانا چاہتے تھے لیکن بشمول غیر سیاسی علماء اور مومنین کے اصرار پر آپ گلگت میں رکنے پر مجبور ہوئے اکثر لوگ نماز جنازہ پڑھانے کے لئے وصیت کو قیادت مذہبی کے لئے وصیت گردانا اور آپ پر زور دیکر روکا تو آپ بادل نخواستہ رک گئے ہیں اسی طرح پاکستان کا دارالخلافہ اسلام آباد میں موجود علمی اور مالی فوائد کو صرف نظر کر کے دین اسلام کی تبلیغ اور کتب اہلبیت کی ترویج کے علاوہ ملی خدمات انجام دیکر مذہبی قیادت کی خلا کو پر کرنے کا مصمم ارادہ کیا ہے لیکن سر منڈاتے ہی اولے پڑ گئے بدقسمتی سے اس خطہ بے آئین کے سیاسی اور بے جا مذہبی حالات کی وجہ سے جلد گرفتار ہوئے اور چار ماہ بیس دن تک اڈیالہ جیل راولپنڈی میں قید و بند کی صعوبتیں برداشت کی مگر آپ کے پائے عزم و استقلال میں فرق نہیں آیا آپ نہایت صابر شجاع اور متقی عالم دین ہیں آپ صحیح معنوں میں عالم دین ہیں اور اتحاد امت مسلمہ کے داعی ہیں اور فرقہ ورانہ فکر سے گریزاں رہتے ہیں مگر سیاسی طالع آزما لوگ پس پردہ آپ کو بھی سیاسی میدان میں لا کر عوام الناس میں متنازعہ بنانا چاہتے ہیں لیکن دم تحریر تک سیاسی جغادری اپنے مقصد میں ناکام ہوئے ہیں چنانچہ شہید ضیاء الدین رضوی رحمۃ اللہ علیہ کا پندرہ سالہ دورِ زعامت میں آپ کے ساتھ ہونے والا سیاسی سلوک نے آپ کی مذہبی قیادت کو
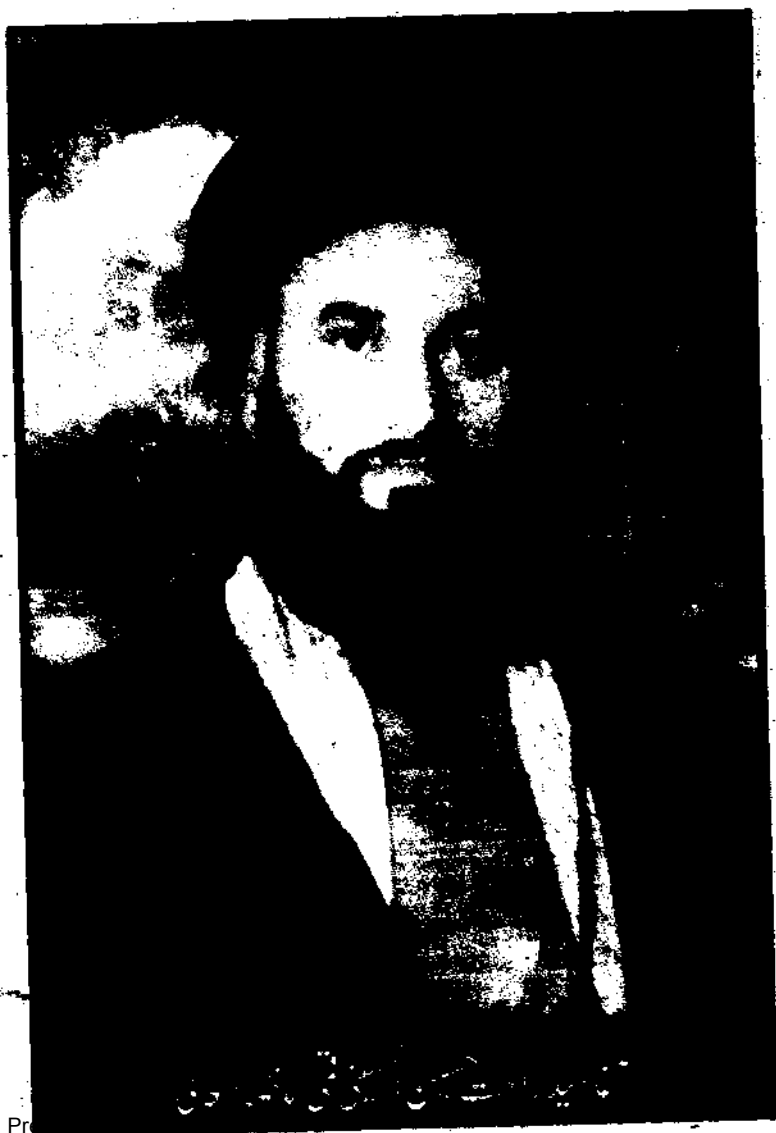
متنازعہ بنایا تھا پس ماضی کے ان جھروکوں میں جھانکر ان حالات سے سبق حاصل کرنا مذہبی خلوص اور دانشمندی کی علامت ہوگی غیر جانبدار مخلص علماء اور عوام الناس کے دلوں میں آپ کی ذات کے لئے عزت واحترام موجود ہے اور دن بدن اس میں اضافہ ہوتا جاتا ہے چونکہ مذہبی قیادت کے لئے خطہ شمال کے اس بے ڈھنگ سیاست سے دور رہ کر فقط دین اسلام اور ثقافت جعفریہ کے ابدی روشن اصولوں سے ناطہ جوڑ کر خدمت انسانیت کرنا دین و دنیا کی کامیاب کی ضمانت ہوگی کیونکہ اس سرزمین بے آئین میں دین اسلام اور ثقافت جعفریہ کے حوالے سے اتحاد امت کے نام پر کام کرنے کی ضرورت ہے یہاں اسلام کے نام پر فرقہ واریت اور سیاسی رقابتوں کے زہر نے ملت کا شیرازہ بکھیر دیا ہے اس لئے صالح مذہبی قیادت کا فرض ہے کہ وہ میں اور تو کے نام نہاد بت کو توڑ دے تاکہ وحدت کلمہ کے زیر سایہ مسلم امہ ایک اور نیک بن جائے کیونکہ ثقافت جعفریہ تقریب المذاہب کا پیغام دیتا ہے اور اتحاد المومنین کو فرض عین قرار دیتا ہے لہٰذا مذہبی قیادت کی بالغ نظری ہوگی کہ مرکز میں ملت جعفریہ کے ہر سمجھدار فرد کو نمائندگی دے کر باہمی مشاورت سے کام کیا جائے تاکہ ملت جعفریہ کا ہر فرد اپنی حیثیت کے مطابق اپنے حصے کا کام کر سکے اور اسی طرح آپس کی دوریاں ختم ہونگی دنیا میں کوئی بھی مذہب کا ٹھیکیدار نہیں ہے ہر شخص کی اپنی ذمہ داری ہے اور یہی طرز ادا ملک وملت اور مذہب شیعہ خیر البریہ کے

مفاد میں ہے خطہ شمال کے سیاسی اور مذہبی حالات سے پوری طرح باخبر ہونے کے لئے یہ مدت کافی نہیں مگر تجربہ اور آزمائشوں کے بعد حالات واضح ہوتے جائنگے کیونکہ شہید ضیاء الدین رضویؒ بھی پندرہ سال بعد باخبر ہوئے تھے مگر زندگی نے وفا نہ کی پس اس سلسلے میں جو بھی خلوص نیت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دین کے لئے کام کرے تو اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ ہے کہ وہ خود اپنا راستہ دکھادیگا دنیا میں کوئی بھی انسان ہر کسی کے دل کو خوش نہیں رکھ سکتا ہے مگر اپنی کوشش کو خدا کے لئے جاری رکھے تو خود خداوند عالم دلوں کو موڑ دیتا ہے پس ساری دنیا خفا ہو تو کوئی فرق نہیں پڑھتا مگر رب کریم ناراض نہ ہو کیونکہ لوگوں کی دی ہوئی خوشی اور قیادت عارضی اور سطحی ہوتی ہے اور اپنی روحانی بصیرت اور خلوص نیت کے طفیل حاصل شدہ مقام اور قیادت کے ثمرات واثرات زندگی کے خاتمہ کے بعد بھی قائم ودائم رہتے ہیں۔

حجۃ الاسلام والمسلمین سید راحت حسین الحسینی دام ظلہ علم ومعرفت کے لحاظ سے صاحب نظر عالم دین اور شرافت وتقویٰ کے لحاظ سے صاحب عمل ہیں اس لئے آپ کے اساتذہ اور بزرگ علماء آپ کو قدر کی نظر سے دیکھتے ہیں چنانچہ ولی فقیہ مقام معظم رہبری آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی خامنہ ای مدظلہ العالی علیٰ روس المسلمین اور شیخ الفقہاء حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ حافظ شیخ بشیر حسین نجفی مدظلہ العالی علیٰ روس المسلمین اور آیۃ اللہ العظمیٰ سید علی سیستانی مدظلہ العالی علیٰ روس المسلمین کی طرف سے آپ کو اخذ و

جو شرعیہ کے لئے خصوصی اجازہ حاصل ہے پس سرزمین گلگت کے اقتصادی اور علمی
مسائل کے پیش نظر مومنین کا بھرپور تعاون جاری رہنا چاہئے اور ثقافت جعفریہ کی
ترقی اور ترویج کے لئے اتحاد اقتصاد اور تعلیم تین اہم ستون ہیں ان پر خصوصی توجہ
دینا ہوگا گلگت کے اس خاص ماحول میں سیاست مدن کے مزاج سے پوری طرح
آگاہ ہونے کے لئے وقت لگے گا۔ بقول اقبال لاہوری

تندی باد مخالف سے نہ گھبرا اے عقاب۔ یہ چلتی ہے تجھے اونچا اڑھانے کے لئے

چنانچہ سیرت علویہ اور ثقافت جعفریہ کے روشن اور ابدی اصولوں پر عمل پیرا
ہوکر آپ خدمت دین کرے تو مستقبل قریب میں آپ کی ذات گرامی سرزمین
گلگت کے لے نعمت ثابت ہوگی میری دعا ہے کہ رب کریم اپنے کرم سے آپ کی
مدد اور راہنمائی فرمائے اور آپ کے خلوص نیت اور توفیقات میں برکت عطا کرے
۔آمین

اپنی کشکول گدائی کی قسم ہے یاور۔ بھیک مل جاتا ہے اس در پہ صدا سے پہلے

انا للہ و انا الیہ راجعون

﴿موت ایك فطری حقیقت ھے﴾

ماہ رمضان 1429 ہجری کی شام کو قائد ملت شیعہ گلگت حجۃ الاسلام و
المسلمین آغا راحت حسین الحسینی دام ظلہ کو قضا و قدر کی گردش نے اچانک ایک سانحہ

جانکاہ سے دور چار کر دیا چنانچہ آپ کی عالمہ اور فاضلہ شریک حیات کے سانحہ ارتحال نے آپ کی جوانی کو ہلا کر رکھ دیا اور آپ نے اس بے وقت وفات پر اظہار عقیدت وغم کرتے ہوئے فرمایا "میری زندگی ادھوری ہوگئی اور زندگی کی آدھی خوشیاں ختم ہوئیں" آپ نے سادات گھرانے سے باہر اپنی زندگی کے لئے شریک حیات کا انتخاب مرحومہ کے اوصاف حمیدہ شرافت نفس آپکا زہد وتقویٰ اور معیار علم کے پیش نظر کیا تھا کیونکہ آپ کے سُسر حجۃ الاسلام شیخ مستان علی نجفی دام ظلہ ایک متقی اور بابصیرت عالم دین اور منجھے ہوئے استاد ہیں آپ نے اپنی اولاد کی تربیت مذہبی ماحول میں کیا ہے۔

چنانچہ آغا راحت حسین الحسینی دام ظلہ نے اپنی پرثمر زندگی کے تقریباً تیرہ سال اس شریک حیات کی رفاقت میں گزارے اور مرحومہ نے آپ کو ہر طرح کا سکھ اور چین پہنچایا کیونکہ مرحومہ شوہر کے حق میں مثالی بیوی ساس سسر کے لئے مثالی بہو اور بیٹے کے لئے مادر مہربان تھیں اسی طرح مرحومہ نے اپنے اخلاق حمیدہ سے سید راحت حسین الحسینی کو حقیقی راحت پہنچایا تھا کیونکہ آپ نے ایک ہونہار بچہ محمد حسین الحسینی کا حسین اور قیمتی تحفہ آپ کو دیا ہے اور یہی تحفہ مرحومہ کی مختصر اور پرثمر زندگی کی یادوں کا ابدی ثمرہ ہے چنانچہ ٹوٹ کر چاہنے والی شریک حیات کے اس پھول جیسا حسین تحفے کی پرورش اور تربیت باپ بن کر نہیں ماں بن کر کرنا ہوگا کیونکہ مرد کے لئے ماں کے ماںتا کی طرح پرورش اور تربیت کرنا مرد کی زندگی کا

سب سے بڑا کٹھن امتحان ہوتا ہے اور امید واثق ہے کہ جوانی کی عمر اور ملت کے گھمبیر مسائل اور شریک حیات کی جدائی کے دکھوں کو دل سے لگائے اور قابل قدر شریک زندگی کا خاص تحفہ جان کر اس چھوٹے شاہزادے کا خاص خیال رکھیں گے تاکہ مرحومہ کی روح پر فتوح قبر میں شاد ہو

جانے والے تیر جذبوں کے نشان باقی ہیں۔

﴿تاثرات کے تراشے﴾

8 جنوری سے 13 جنوری 2005 کے دوران شہید ضیاء الدین رضوی رحمۃ اللہ علیہ پر قاتلانہ حملہ اور آپ کی شہادت کے حوالے سے مختلف علمی مذہبی سیاسی تنظیمی اور حکومتی شخصیات کی جانب سے اظہار عقیدت کے تاثرات تحریری شکل میں بیان ہوئے تھے میں اس کتاب میں ان تاثرات کے تراشے بطور یادگار لکھنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں۔

شیخ الفقہاء حضرت آیۃ اللہ العظمیٰ الحاج حافظ بشیر حسین نجفی پاکستانی دام ظلہ علی روس المسلمین

بسمہ تعالیٰ

☆ جناب علامہ سید ضیاء الدین رضوی شہید کے علاوہ ان کے ساتھ دیگر مومنین کے شہید اور زخمی ہونے کی خبر سے دل کو بہت گہرا صدمہ ہوا اگر چہ جو شہید ہوئے ہیں وہ یقیناً جنات عالیہ میں ائمہ طاہرینؑ کی بارگاہ میں پہنچ گئے ہیں اور جو زخمی ہوئے ہیں وہ درجہ مجاہدین پر فائز ہوئے ہیں۔

حکومت وقت کا بار بار مختلف مقامات پر اپنی نااہلیت کا ثبوت ہمیں مجبور کر رہا ہے کہ ہمارے جوان ہمارے بچے اور ہماری قوم اپنے دفاع کے لئے خود تیار ہوں لہٰذا میں شہید کے بلندی درجات اور ان کے پسماندگان کے لئے صبر جمیل اور مجروحین کے لئے جلد شفاء یابی کی دعا کے ساتھ ساتھ مومنین کو خبردار کرتا ہوں کہ ہر

مومن اپنی قوم کی دفاع کے لئے ہمیشہ تیار رہے

والسلام

بشیر حسین نجفی نجف اشرف عراق

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

☆ شہید ضیاء الدین رضوی کا جہاں ایک طرف مقامی اور خاندانی کردار ہے وہاں دوسری طرف دین اور روحانی تشخص بھی نمایاں تھا انہوں نے تقوی کا راستہ اختیار کیا اور آخر دم تک تقوی اور پاک بازی کی صلاحیتوں سے مزین رہے اپنے والد بزرگوار سے تقویٰ اور روحانیت انہیں وراثت میں ملی تھی اور اس نعمت کو انہوں نے سنبھال کر رکھا تھا بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے عقیدے نظریے اور موقف کے ساتھ سو فیصد سے زیادہ مخلص ہوں اور انہیں اپنے اصولوں پر ڈٹ جانیکا ہنر آتا تھا جب کبھی اپنے مذہبی آئینی شہری اور قانونی حقوق کے تحفظ کا مرحلہ درپیش ہوا تو آپ میدان عمل میں ڈٹ کر کھڑے ہوئے اور تادم شہادت اپنے موقف سے ذرہ برابر پیچھے نہ ہٹے اور کسی قسم کی سودا بازی کرنے کی بجائے موت کو گلے لگانا اپنی ترجیح بنالیا۔

قائد تحریک اسلامی علامہ سید ساجد علی نقوی دام ظلہ

اسلام آباد پاکستان

☆ آغا ضیاء الدین کی موت اس کے خاندان اور ناردرن ایریا کے لوگوں کے لئے ایک بڑا سانحہ ہے۔

چیف سکریٹری شمالی علاقہ جات گلگت

☆ بی بی فاطمہ زہراء کی اولاد اور امتحانات کوئی نئی بات نہیں لیکن ہر کربلا ایک نئی صبح کی نوید ہوتی ہے۔

مقتل میں کوئی جس دھج سے گیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آنی جانی ہے اس جان کی کوئی بات نہیں

ہوم سکریٹری شمالی علاقہ جات گلگت

☆ میرے الفاظ شاید محسوسات کی درست ترجمانی نہ کرسکیں مرحوم قد آور شخصیت تھے انہیں ہمیشہ دلیل کے ساتھ بات کرتے ہوئے پایا۔

ساجد بلوچ ڈپٹی کمشنر گلگت

☆ آل سادات کا عظیم سپوت ہم سے ہمیشہ کے لئے جدا ہوئے یہ نقصان نہ صرف فرد واحد کا ہے بلکہ پوری قوم اور ملک کا بہت بڑا نقصان ہے۔

سخی اللہ ترین آئی جی پی گلگت

☆ آغا ضیاء الدین رضوی کا علاقہ کی معاشی معاشرتی اور روحانی ترقی میں بڑا کردار رہا ہے ان کی شہادت ایک عظیم سانحہ ہے۔

ظفر اقبال صدر اسمٰعیلیہ کونسل گلگت

☆ آغا ضیاء الدین رضوی علاقہ شمال کے انمول اور مایہ ناز ہستی تھے تاریخ میں ایسی ہستیاں بہت کم پیدا ہوتیں ہیں شاہ صاحب مذہبی لحاظ سے ہم سب کے لئے واجب الاحترام تھے۔

پیر سید کرم علی شاہ چتور کھنڈ

☆ ہم گلگت بلتستان کے عوام بالخصوص ملت جعفریہ ایک ایسی ہستی سے محروم ہوگئی ہیں جن کا خلاء پُر کرنا تاریخ کے لئے ایک بڑا چیلنج ہے آغا ضیاء الدین رضوی ایک فرد نہیں ایک تحریک کا نام ہے۔

ڈاکٹر مظفر ریلے ممبر قانون ساز کونسل گلگت

☆ آقائے سید ضیاء الدین رضوی کی شہادت عالم اسلام بالخصوص ملت تشیع پاکستان کے لئے بہت بڑا المیہ ہے ایسی شخصیات صدیوں بعد پیدا ہوتیں ہیں شہید کی جو موت ہے وہ قوم کی حیات ہے انشاءاللہ آغا کی شہادت قوم میں ایک انقلاب بر پا کریگی ہم اپنی صفوں میں اتحاد و اتفاق پیدا کر کے شہید کے افکار کردار اور مشن کو زندہ رکھیں۔

شاہد رضا صدر آئی ایس او گلگت

☆ آج ضیاء الدین کا مشن زندہ ہے جب تک ہم زندہ ہیں یہ مشن زندہ رہیگا ہم آغا اور آپ کے باوفا ساتھیوں کے خون سے عہد کرتے ہیں کہ آپ کے مشن کی تکمیل تک اپنے خون کا آخری قطرے کو بھی گرانے سے دریغ نہیں کرینگے اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا کرے آمین۔

رضا کاران حسینی امامیہ عسکری گلگت

سوچنے کی باتیں

(شہادت)

۱۔ راہ خدا میں قربان ہونا کائنات کی سب سے بڑی سعادت مندی ہے۔

(گواہی)

۲۔ حق بات کی شہادت چھپانا انسان کی سب سے بڑی خیانت ہے۔

(زبان)

۳۔ انسان اپنی زبان کے پردے میں پوشیدہ ہوتا ہے۔

(چپ)

۴۔ زبان عقل کے تابع رکھو یہ دوست کو دشمن اور دشمن کو دوست بناتی ہے۔

(جھوٹ)

۵۔ غلط بیانی گناہ بے مزہ ہے۔

(مانگنا)

۶۔ اللہ ہر مانگنے والے کو دیتا ہے اس کے بغیر مانگنا جہالت ہے۔

(دنیا)

۷۔ دنیا کی مثال گرگٹ کی طرح ہے ہر لحہ رنگ بدلتی ہے

(تکبر)

۸۔ تکبر عزازیل را خوار کرد۔ بہ زندان لعنت گرفتار کرد۔

(بدنظری)

۹۔ بدنظری ایک گناہ بے مزہ ہے

(تنگ نظری)

۱۰۔ تنگ نظری انسان کو دیمک کی طرح اندر سے چاٹتی ہے

(بلند نظری)

۱۱۔ انسانی وقار بلند نظری کی وجہ سے دوبالا ہو جاتا ہے۔

(کردار)

۱۲۔ دنیا میں انسان کا کردار سب سے بڑا حسب ونسب ہوتا ہے۔

(دانائی)

۱۳۔ دنیا کی زندگی میں انسان کو تنگ نہ کرنا بڑی دانائی ہے۔

(گزرگاہ)

۱۴۔ دنیا وہ گزرگاہ ہے جہاں ستانے کی جگہ نہیں ہے۔

(زندگی)

۱۵۔ زندگی قانون فطرت کے تابع ہے اگر انسان زندگی میں فطرت کو صرف

نظر کرے تو شرمندگی بن جاتی ہے۔

(موت)

۱۶۔ موت زندگی کی محافظ ہے جب موت زندگی کی حفاظت کرنا چھوڑ دے تو زندگی ہار جاتی ہے۔

(گدائی)

۱۷۔ انسان گدا ہے مگر اپنی کشکول گدائی فقط اپنے مالک کے حضور پیش کرے۔

(انسان)

۱۸۔ انسان اُنس یعنی محبت سے مشتق ہے جس انسان میں پیار و محبت نہیں وہ حیوان سے بھی بدتر ہے۔

(صلہ رحم)

۱۹۔ اپنے قرابتداروں سے محبت عمر میں برکت اور آخرت کی بڑی سعادت ہے۔

(صلہ رحم سے عداوت)

۲۰۔ اپنے اقرباء سے عداوت عمر میں کمی اور آخرت میں شقاوت ہے۔

(عبادت)

۲۱۔ معرفت کے ساتھ مختصر عبادت بغیر معرفت کی لمبی عبادت سے بہتر ہے۔

(قادر)

۲۲۔ خدا ہر کام میں قادر مطلق ہے مگر اس نے اپنی مہربانی سے انبیا اور اولیاء کے ذریعے رہنمائی فرمائی ہے۔

(محتاج)

۲۳۔ خدا ہماری بندگی کا محتاج نہیں لیکن ہم اس کے رحمت کے محتاج ہیں۔

(قیادت)

۲۴۔ صالح قیادت اپنے ساتھیوں کے لئے نعمت غیر مترکبہ ہوتی ہے۔

(قوم)

۲۵۔ قومیں اپنی دانا اور مخلص قیادت کے طفیل منزل کمال پالیتی ہیں۔

(مرکز کی اہمیت)

۲۶۔ اپنے گلے سے الگ ہونے والا جانور درندوں کا شکار بن جاتا ہے۔

(وحدت)

۲۷۔ کلمہ توحید اور وحدت کلمہ مسلم امہ کا سب سے کامیاب ترین ہتھیار ہے۔

(رات)

۲۸۔ رات جسم و جان کو پرسکون اور روح کی پریشانی کو کم کردیتی ہے۔

(تاریکی)

۲۹۔ اندھیری رات کے بغیر نوید سحر کی امید کرنا بے معنیٰ ہے۔

(علم)

۳۰۔ علم معیار معرفت کے مطابق فائدہ دیتا ہے۔

(فکر)

۳۱۔ بغیر سوچے کام کرنے سے فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوتا ہے۔

(پانی)

۳۲۔ چلتے ہوئے پانی کی طرف غور سے دیکھ کر اس کی اہمیت وافادیت کو جانا جاسکتا ہے۔

(آگ)

۳۳۔ جلتی ہوئی آگ کی تپش سے جہنم کی آگ کو فراموش نہ کریں۔

(نعمات)

۳۴۔ دنیا میں خدا کی نعمتوں کو دیکھ کر باغ جنت کے ثمرات کو یاد رکھو۔

(بندگی)

۳۵۔ تکبر اور اندازہ کی عبادت انسان کو شیطان رجیم بنا دیتی ہے۔

(ماں)

۳۶۔ ماں کی گود ہر عمر میں راحت وسکون بخش دیتی ہے۔

(باپ)

۳۷۔ دنیا میں باپ کا سایہ پھلدار درخت کی مانند ہے۔

(لگام)

۳۸۔ نفس بے لگام گھوڑے کی طرح ہے اس کو خوف خدا کا لگام دو۔

(فریب)

۳۹۔ خوف خدا کے بغیر عالمانہ لباس زیب تن کرنا لوگوں کو فریب دینا ہے۔

(زندگی)

۴۰۔ دنیا کی زندگی پانی کا بلبلہ ہے معمولی حرکت کے بعد اُس کی ہوا نکل جاتی ہے۔

(استاد انجم)

گلہائے عقیدت

فارسی گلہائے عقیدت زبان دان شعرا سے معذرت کے ساتھ

اے صبا، اے پیک دور افتادگان۔ گو سلام من بافردوسی و شیرازیان

میشوم قربان بنام آن زمین و آسمان۔ اصفحان و قہستان و مشہد شاہ خراسان

اے صبا برسان سلام من پیش او مدام۔ آن امام عالمین آن مقتدائے انس و جان

اے زمین قم اے مرکز تجلائے نور۔ گشت روشن تا ابد در این زمین و آسمان

اے خمینی یا اے مصلح دور افتادگان۔ تا ابد زندہ بمانی مثل صبح و شام مان

فکر اقبال گفتہ بود پیش از زمان۔ او بنام خمینی آن رہبر پیر و جوان

میر سد مردی کہ زنجیر غلاماں بشکند۔ دیدہ ام از روزن دیوار زندان شمان

خامنہ ای اے علی تو زندہ باد تا بہ ابد۔ مثل انجم گشتہ روشن بر زمین و آسمان

اے حسین اے راحت ارض شمال۔ از قدوم میمنت دلشاد، دوستان شمان

استاد شیخ غلام حسین انجم (مصنف کتاب)